





آپ ہمارے کتابیں سلسلے کا حصہ بن سکتے  
ہیں مزید اس طرح کی شائع دار،  
مفید اور نایاب کتب کے حصول کے لئے  
ہمارے ویس ایپ گروپ کو جوائن کریں

ایڈمن سٹیل

عہدہ نقیب : 03478848884

مدیر عام : 03340120123

حصین سیلوکس : 03056406067



ایوان اشاعت پریکٹی لائبریری











# سخنہائے گھٹی

میں نے ضرورت محسوس کرتے ہوئے اپنی تصنیف "فنون اور ہدایات" سے  
ان چند اقتباسات کو مستحقانِ فن کے لئے ترتیب دے دیا ہے۔

مغلوں کا شاہکار "تاج محل" فرخندہ سرور سکوت میں انگڑائیاں لے رہا ہے۔ فطرت  
رشتک کر رہی ہے اور موت ابھی تک اپنے کئے پر آنسو بہا رہی ہے۔ مضمون رنگ۔ نغموں اور الفاظ  
کے سحر سے حیات کو لافانی بنانے کے لئے کوشاں ہے۔ "تاج محل" انہیں کاوشوں کا جیتا جاگتا ثمر ہے۔  
اور اسی سوز و گداز کا ایک ڈھکٹا ہوا آنسو "تخیل فانی زندگی کو غیر فانی بنا سکتا ہے" یہ پیغام  
یہ صدا اس کے ذرہ ذرہ میں مضمون ہے۔

مضمون حالت فیضان میں نئے نئے کوہ نور تراشتے۔ نئے نئے تاج محل تخلیق کرنے کی دھن میں محو  
رہتا ہے۔ اور اس سرستی میں زندگی کے سمٹے ہوئے بدن سے مادیت کے پردے نوج نوج کراٹک  
کر دیتا ہے۔ اور زمان و مکان کی حصار بندی کو توڑ کر حقیقت کی لامتناہی فضا میں بے باکانہ نخل ہو جاتا ہے۔  
شاعر ہو یا مضمون وہ ایسے راہِ عمل پر گامزن ہوتا ہے۔ جہاں ہر قدم پر کھکشاں کے تارے بکھرے  
پڑے ہیں جہاں کے ذرے ذرے میں قوموں کا مستقبل اور ملکوں کی قسمت کا فیصلہ پوشیدہ ہے۔  
یہ قدرت کا پیغام ہر صنفِ نازک سے ایک گہرا لگاؤ رکھتا ہے۔ اور زندگی کے سارے سرمایہ کو  
بے دریغ قدرت کی اس پراسرار نعمت پر قربان کرنے کے لئے آمادہ رہتا ہے۔ اور اس کے وسیلے  
سے عالمگیر اوصاف۔ آزاد حسن۔ اور نازک نازک تمثیلیں اختراع کرتا رہتا ہے۔ چوکی اور قومی کلاں میں  
ہمیشہ انقلاب کا باعث ہوتی ہیں۔



دورِ احیاء کے مغربی مصوٰروں نے اپنی تمام کوششوں کو صرف عورت کا سیارہ قائم کرنے پر صرف کر دیا۔ اُن کے دل میں مریم کی یاد زندہ تھی۔ وہی ایک مقدس ہستی اُن کی رہبری کر سکتی تھی۔ ان کے پاس فن کی نگین کے لئے اس سے بڑھکر کوئی سرمایہ نہ تھا۔ جو اُن کے مذہبی اور قلبی احساسات کو شعلہ زن کر سکتا۔ صرف مریم کے معصوم چہرے کا تصور ان کے پیش نظر تھا۔ جس کے ارد گرد انہیں روحانی روشنی مالا پیرا دکھائی دیتی تھی +

مگر یہ مصوٰر جو جوشِ محبت سے کانپ رہے تھے اور روزِ دشب کا غذا کی سطح اور کلیساؤں کی دیواروں پر مقدس مریم کا روحانی نقش اتارنے کی فکر میں بے سہارا طوفانی کشتی کی طرح ڈوگھکاتے پھرتے تھے۔ انہیں اس غیر محدود روحانیت کی حد بندی کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ اس افقِ افق پریشاں جلوے کو وہ ایک تیز شعلے کی ہیئت میں لانے سے محروم تھے۔ رفاٹیل اور لینارڈو جیسے باکمال مصوٰر بھی ایسے محتاج تھے کہ مریم کی شبیہ بنانے کی فکر میں انہوں نے ایتالیا کے گاؤں گاؤں اور شہر شہر کا کوہِ کوہ چھان مارا کہ کوئی مقدس چہرہ اُن کی رہنمائی کرے +

لینارڈو نے جب مونا لیزا کو دیکھا جو صنعتِ نازک کا صحیح میاں اور سرتاپا جذبات کا ایک ہنگامہ تھی تو وہ دیوانہ وار اس مقام کے ارد گرد برسوں چکر کاٹتا رہا جہاں وہ دنیاوی زندگی بسر کر رہی تھی + رفاٹیل جیسا بلند پایہ مصوٰر وہ نوجوان مصوٰر جس نے اپنی اُبھرت کی بنا پر پاپائے روم چہرے کا دعوئے کیا تھا لاڈلا کو دیکھ کر لڑکھڑاتا ہے۔ اُس کی زبان میں کشت سی آبائی ہے۔ اور وہ دنیاوی اعتبار سے محض ایک گھماڑی لڑکی تھی۔ رفاٹیل لاڈلا میں اپنی مصوری کی ابتدا اور انتہا سبک دیکھتا ہے۔ دورِ احیاء کے مصوٰروں نے معنوی احساسات کو مریم اور مسیح کی محبت سے پایا تھا۔ اور یہی تلاش انہیں اپنے موڈلوں میں تھی۔ اُن کی عالی حوصلگی اور دیانتداری تھی کہ وہ ذہنی کاوشوں اور اپنے ذوقِ سلیم مسیح اور مریم کا صحیح تصور پیش کرنے میں آخری دم تک جدوجہد کرتے رہے۔ اور اسی میں اپنی زندگیاں ختم کر گئے۔ رفاٹیل اور لینارڈو کو دیکھو اپنے موڈلوں کو کس مضارب سے چھوتے تھے۔ اور ان سے کیسے کیسے پرکیٹ فٹے پیدا کرنے میں ہمتِ مصروف نظر آتے ہیں۔ لینارڈو نے حالتِ فیضان میں



مونالزا کی منہوی خویوں اور گہرائیوں میں ایک ہلکا سا تبسم کھوتا ہوا دیکھا تھا۔ جو اُس کے حسن میں جھلکا تھا۔ یہ اُس کی مستقل مزا جی اور دیانتداری تھی کہ اُس نے اسے غیر فانی بنانے میں اس قدر استقلال سے کام لیا جس کی مثال مغربی دنیا پھر کبھی پیدا نہ کر سکی۔

لینارڈو نے وہ شان و رومانیت وہ نازک تاثرات جو دنیا کو دئے وہ صرف ایک پُرکیت تبسم میں پہنائے تھے۔ وہ تبسم جس نے لینارڈو کو گمہ گدایا۔ جسے لینارڈو کسی طرح سے بھی نہ چھپا سکا۔ مونالزا صرف ایک آئینہ تھی جس میں لینارڈو اپنا آپ اور وہ تبسم دیکھ سکتا تھا جو اسے حالت فیضان میں محسوس ہوا اور جس پر اس نے اپنی قوت تخیل سے ایسی گرفت پائی تھی کہ وہ ہمیشہ کے لئے اُس کے بس میں آگیا۔

وہ پُر اسرار راز جسے لینارڈو اور مونالزا ہی جانتے تھے۔ سوائے ایک تصویر کے کوئی عریاش کر سکا اس وقت تک ہزاروں نقاد اور مصور روزانہ وہ راز مونالزا سے پوچھتے ہیں اور جواب کے لئے گھنٹوں کے سامنے بے مجز و نیاز مجسموں کی طرح غاش کھڑے اس کے تبسم لبوں سے پوچھنے کے منتظر نظر آتے ہیں پر اس کے پاس انسانی تسلی کے لئے کوئی جواب نہیں سوائے ایک روحانی تبسم کے جسے لینارڈو نے مونالزائے قالب میں آکر حاصل کیا تھا۔ آہ یہ احساس کس قدر متعدی ہے کہ دنیا اس کے اس مختصر جواب آج تک سرور ہے۔

سہ یک چراغ است ویر غانہ و از پر تو آں - ہر کہا می نگرم اسبغے ساختہ اند <sup>(نشان)</sup>  
دنیا بہت کم جانتی ہے کہ لینارڈو نے جب مونالزا کو اپنا مودل چنا تھا یا وہ اپنی شبیہ تروائے کی غرض سے لینارڈو کے سامنے بیٹھی تو دونوں دلوں کے اندر کیا کیا جذبات کام کر رہے تھے۔ مونالزا کیا چاہتی تھی اور لینارڈو نے اُسے کیا کچھ سمجھا تھا۔ دن اور مینے گزر گئے۔ مونالزا برابر مودل بنی بیٹھی ہی۔ لیکن لینارڈو کا قلم ایک خط بھی نہ لگا سکا۔ لینارڈو کا قلم کیوں عاجز تھا؟ یہ لینارڈو ہی جانتا تھا۔ مونالزا تو اپنا شاہ خاکہ دیکھنے کی فکر میں تھی۔ اور لینارڈو اس سے معذور تھا۔ کیونکہ وہ ایک معنی خیز تبسم کے لئے اپنے جذبات اتھ سے دے چکا تھا۔ جب اُس کے تصورات وہ ذہنی نقش آتارنے سے عاری ہو چکے جو اُس نے حالت فیضان میں دیکھا اور محسوس کیا تھا۔ تو اُس نے مونالزا سے ہلکامی کی اور اُسے رومان سے لبریز وروانگیز افسانے سنائے۔ اُس نے بڑے بڑے باکمال معنی جمع کئے۔ اس کے ارد گرد اگر کی جلیاں



جلا میں۔ رنگا رنگ کے پھولوں میں ایک خاص امتیاز پیدا کیا۔ پھر وہ ترنم خیز آواز جو لینارڈو کی نوح سے پیدا ہوئی تھی۔ مونا لیزا کے درد بھرے دل پر کچھ اس طرح سے لگی کہ اس کا لذت آشنا دل جو بے آب اور رنگ آلود پڑا تھا۔ سوز و گداز اور ولولہ انگیز جذبات سے شعلہ کی مانند بھڑک اٹھا۔ اور وہ جو پہلے خود تماشا تھی اب خود مجھ تماشا ہو گئی۔ اور اپنی شبیہ اُتروانے کا خیال بھول گئی۔ یہ لینارڈو کی کوشش تھی کہ اس کے دماغ سے یہ خیال محو کر دے کہ وہ اپنی شبیہ اُتروانے کی غرض سے اس کے سامنے موڈل بن کر بیٹھی ہے۔ اور خود اُس پر اسرار بندی پر پہنچ جائے جس کے لئے اُس نے اُسے چنا تھا۔ بہتوں کا خیال ہے کہ لینارڈو کا یہ قلم کار مونا لیزا کی صحیح شبیہ نہیں کیونکہ وہ مونا لیزا کی نہیں بلکہ خود مصوّر لینارڈو کی تصویر ہے۔

لیکن رفائیل اور لینارڈو کے مجسمی معاصرین بہزاد۔ قاسم۔ میرک اور رضا عباسی جو ہمارے دور احیاء کے بانی تھے ایک خاص امتیازی بندی پر تھے۔ وہ کسی لاوٹا یا مونا لیزا کے محتاج نہ تھے۔ ان کے لئے ہر چہرہ مقدس چہرہ تھا۔ ہر ذرہ خورشید عالیا کا آئینہ بردار تھا۔ وہ ایسے مقام پر تھے جہاں تمام کائنات ایک کھلا ہوا ورق بن کر اُن کے آگے اپنے راز آشکار کر رہی تھی۔

باوجود اُن کوششوں کے جو لینارڈو اور رفائیل نے اپنے موڈلوں کو جذبات کا جارہ پھانے میں بڑی دیانتداری سے انجام دیں۔ ایشیا کی ان خوبیوں کو جو جمالیات کی حقیقت کہلا سکتی ہیں نہ پہنچ سکیں۔ رفائیل بہزاد کے نقوش کو بڑی حیرت سے دیکھتا۔ اُس نے اور ریمرنٹ نے کئی بار مجسمی مصوّر کی تقلید اور نقل میں اپنا قلم اٹھایا۔ جو اُن کے شاہکاروں سے اب بھی ظاہر ہے۔ مگر وہ موڈل کے مقلد ان آزاد بندیوں کا دیر تک سانس نہ لے سکے اور گھبرا کر پھر دنیا کے میدانوں میں آجے۔

ایشیائی مصوّر نے وہ جذبات جو اپنے ادب اور فن سے دنیا کو عطا کئے رومیاں میں ڈبے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہی ایک واحد اصول تھا جو انہیں موڈل کی تماؤں میں غرق نہ کر سکا۔ یہی ایک وجہ ہے کہ موڈل کا لفظ اُن کی لغت تک میں نظر نہیں آتا۔ خسرو کو جب شیریں کی طلب ہوئی تو اُس کی ساری سلطنت اور سرمایہ میں سے ایک مصوّر تھا جو یہ سمجھ سکا کہ شیریں کو حکومت اور دولت فتح نہ کر سکیگی۔ اس کے قلب اور نوح کی جملہ



گہرائیاں پایاب تھیں۔ وہ بڑبڑاتا تھا "شیریں باندیوں کی طرح حاضر ہو سکتی ہے"۔ خسرو نے اُسے بہت کچھ دینا چاہا۔ مگر شاہ پور نے ایک نہ نئی اور محض اپنی مصوری کے بھروسہ پر شیریں کے وطن کی طرف چل دیا۔ اور اُس کے محل تک جا پہنچا۔ اور گلستاں میں اُس روش پر جہاں شیریں مجبوراً مہر ہو کر آتی تھی تین تصویریں پتھروں سے لہے ہوئے پودوں پر آویزاں کر دیں۔ شیریں بھولیوں کے ساتھ دوسری سے سرسبز صنوبروں پر وہ رنگین نقش جو شاہ پور نے تیار کیا تھا دکھائی رہی اور بے اختیار کوئی اچھی چیز سمجھ کر ہلکی ہلکی ایک اجنبی کی تصویر دیکھ کر سہیلیوں کو اسے اتار کر پھینک دینے کا حکم دیا۔ جب اُسے چند قدموں پر ایک اور تصویر ملی جو خسرو کی ایک رُخی تصویر تھی جس میں مصور نے چہرے کو ایک طرف سے بالکل چھپا دیا تھا شیریں کے دل میں ایک لہری اٹھی۔ اُس کی آنکھوں نے بند ہونا شروع کیا۔ اور وہ اُن جذبات کے لئے جو اُس کے دل میں یکایک پیدا ہونے شروع ہو گئے تھے اپنے آپ کو سنبھالنے کے لئے رُک تو ضرور گئی مگر رکتے رکتے بھی ایک نامحرم کی تصویر کو خود اپنے ماتھے سے پکڑ کر اتار دیا۔ وہ ابھی آنے والے خیالوں کے جھوم سے ہنٹ بھی نہ چکی تھی کہ تیسری تصویر اُسے نظر پڑی۔ اس نئی دنیا کو جس کو اُس نے بھلا رکھا تھا۔ اپنی طرف سے آتے ہوئے دیکھا۔ یہ تیسری تصویر مصور نے کچھ ایسے انداز سے بنائی تھی کہ دونوں پہلی تصویروں کی یاد تازہ کر کے اُسے محسوسات کے سمندر میں غرق کر دیا۔ اس میں چہرہ بالکل دکھائی نہ دیتا تھا۔ وہی اُس کی بیباکی اور شکست کا باعث ہوا۔ اُسے پہلی تصویر کی غلب ہوئی۔ اُس نے پلٹ کر دوسری تصویر کو ایک گہری نظر سے دیکھا۔ بس اب خسرو اُس کے دل میں بس رہا تھا۔

ہر باکمال حقیقی مصور کسی ظاہری خدو خال کا محتاج نہیں ہوتا۔ وہ ہمیشہ اپنے شاہکاروں میں نئی زندگی لاتا ہے۔ مصور کے اعضاء و اطوار مصور کی انفرادی شخصیت سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہی اُس کا پیغام ہوتا ہے!

مصر اور یونان کے مصوروں اور ریت تراشوں کے نازک دلوں پر دیوتاؤں کا ایک گہرا اثر تھا۔ اور وہ انسانی سن میں انہیں کا پر تو دیکھتے۔ اور اسے غیر فانی صورت دینے میں کوشاں رہتے۔ یونانیوں نے تو فطرت پرستی کے اصول کو ہمدوست کے درجہ تک پہنچا دیا۔ وہ ہر چیز کو مہن کا ثبات کا مظہر سمجھتے تھے۔



مگر وہ روحانیت سے بالکل عاری ہو گئے۔ آخر کار ظاہری حُسن کی ارزاق شراب نے دیوتاؤں کو بھی مخور کر دیا۔ اور وہ بھی دنیا میں عام انسانوں کی طرح چلتے پھرتے نظر آنے لگے۔ تنومند اور سبک فوجان کمان کھینچنے ہوئے۔ حریر پوش نازک عورتیں شانوں پر کھینے بال ڈالے مندروں کی طرف جاتی ہوئیں! یہ تھا اُس فن کا اختتام۔ اور یورپ بھی برسوں فقط انہیں روایات کا علم بردار رہا +

روحانیت نے ہمیشہ قوت انفرادی اور دیگر امتیازی خصوصیات سے تہذیب اور تمدن کی بہت بڑی خدمت انجام دی ہیں۔ اور ظاہر داری کو معنوی خوبیوں سے ایسا رنگ دیا کہ ہر شمع آرائش دلوں کو نازیا اور دلوں کو کم سواد نظر آتی جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ تکلفات کے بدلے احساسات اور وضع داری کے بدلے صداقت اور شہرت پسندی کی جگہ سوز و گداز نظر آنے لگا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے ملک لازوال مصوروں اور باکمال شاعروں کو بھر پور ہو گیا۔ اس گزشتہ کل کی یاد آج کی حقیقت سے بھی زیادہ زندہ اور تاثر فیز ہے!

صبح سے بہت پہلے مشرق اٹھنے میں بدھ کی تعلیم عام ہو چکی تھی۔ یہی وقت تھا جب سنگ تراشی نے فنونِ جمیلہ میں جگہ حاصل کی تھی۔ یہی وقت تھا جب بت تراشوں کے آہنی قلم پہلے پہل مذہب کے لئے استعمال کئے گئے۔ ہند اور چین میں جس طرح دیکھو ایک مقدس شکل مندروں اور الہامگا ہوں میں نظر آتی تھی۔ جس پر الوہیت بزرگی اور رہبانیت نکپ ہی تھی۔ ان تہوں کو آج بھی دیکھنے سے ایک شان اُبھلتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ جو اپنے جاتریوں کے لئے اس قدر طمانیت کا باعث ہے کہ اب انہیں اپنی بے دلی کے سبب ویسے بُت تراشنے کی کبھی جرات نہیں ہوتی!

فنونِ جمیلہ ہر جگہ مذہب کی گود میں پئے اور جوان ہوئے۔ مگر عربوں اور ان کی تائید میں عیسویوں نے فنون کی بنیادیں صرف حکیمانہ اور فطرتی اصولوں پر کھڑی کیں۔ اور مذہبی جوش اور محبت جس میں وہ سرتاپا لگے ہوئے تھے ان کے ساتھ ساتھ خضر راہ کا کام دیتے رہے۔ ان کے تمام علوم و فنون اسی روش پر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے درباروں میں ہر عقیدے کا منظر نظر آتا ہے۔ خصوصاً مغلوں کی اس فیاضی اور فراخ دلی نے ایسے ایسے باکمال منظر پیدا کر دیئے کہ ہم اُن پر جس قدر ناز کریں کم ہے۔ اگر مغل اور عجمی فنون کو مذہبی خدمت کے لئے پوری طرح سے کام میں لاتے تو مذہب تو خیر خود فنون خدا جانے کن بندہ یوں پر پہنچ جاتے!







سب سے بڑا کی کوئی ہیں اور  
میرے لئے ہے



دو صدیوں تک ہند میں قنوں لطیفہ پر خاموشی چھائی رہی، ہتک سے بھی اس نفرت سے محروم ہو گئے مگر مغلوں اور تاتاریوں کی حالی حوصلگی نے ایک نئی عمارت استوار کی اور اکبر کے عہد حکومت میں اتحاد کی برکتیں اور کوششیں ایسی بار آور ہوئیں کہ پھر گھر گھر منصوری اور شاہی کا چرچا ہونے لگا۔

خواجہ عبدالقہر۔ منصور اور تادار کے کمال نے بہت سے ہندی منصور دربار میں داخل ہونے کے قابل بنائے چنانچہ بے پور اور کانگڑہ کے لوگ جوق در جوق درباری معزروں سے فیض حاصل کرنے کے لئے آنے جانے لگے۔ اور بہت جلد راجپوتانہ اور کانگڑہ کے پہاڑی علاقوں میں مثل تندیب نقش پذیر ہونے لگی۔ مگر انہوں مغلوں کے سنے ہی یہ سب کچھ خواب و خیال ہو گیا۔ سچ جو ہونے دیکھنے میں آتے ہیں وہ اس خواب کا ایک ہلکا سا نقش ہیں کبھی فنون اور رنگوں کے پورے عروج میں دیکھا گیا تھا۔ صلیح کل مغلوں کے شمار بہت گہرے تھے۔ ان کے فن کی بنیادیں بہت محکم تھیں۔ یہاں تک کہ غلوت سراؤں اور مندروں میں وہی نقوش۔ وہی حراریں ذہنی غباری اور سنگ مرمر کا فراوان استعمال جو مثل منصوری اور فی تمیر کی ربع اور ان کے فن کا بہترین اوصاف تھے عام نظر آتے ہیں۔ راجپوت اور کانگڑہ سکول کے حایوں کو ایک آنہ و تحریک کا نظریہ گھڑنے میں یہی نشانات گنت ہیں؟ راجپوت سکول کا ایک آنہ و تحریک نہ ہونے اور مغلوں کی روایات کا طعیر وار ہونے کا ایک ثبوت ہمارے دور جدید کی منصوری ہے۔ یہی سکول ہوا۔ نکال سکول، وہ ایک بات میں متفق ہیں کہ دو کسی سیشن نہ ہندوستانی دھارے کی موجیں نہیں۔ یہی سکول تو خیر یورپ کی علامانہ نقل میں محو ہے۔ مگر نکال سکول بھی اس اعتبار سے ہندوستان نہیں کہ وہ مثل نہیں تو مزعومہ راجپوت سکول کی روایات کی تجدید کرتا۔ محض ہندوستانی دھارک موضوعات کا استعمال کسی تحریک کو سندوستانی نہیں بنا سکتا۔

یشیا میں فنون جمیلہ کے سرچست صرف مثل ہی نہ تھے۔ چین اور جاپان تو آج تک اس فن میں ممتاز ہیں۔ مگر وہ سلطنتیں جو اسلامی سلطنتیں کہلاتی تھیں۔ کچھ کم نہ تھیں۔ سسلی (صقلیہ) جس کا مرثیہ علامہ مراقب نے خون کے نسوٹوں سے لکھا ہے محض ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے۔ مگر وہاں کے فنون جمیلہ نے ان دنوں اٹلی اور بریس وجہ یورپ بھر کے فن میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا تھا۔ ہسپانیہ میں اسلامی کارنامے زبان زد عوام ہیں آج دنیا بھر میں المارہ کا نام فنون جمیلہ کے معراج کا مجازی نام ہے۔ ایران معزروں کی جھلک آج تک دنیا بھر



کی فالن ساری میں نظر آتی ہے۔ جسے دیکھنا نہیں دیکھوں۔ حلوں اور نقوش کے الٹ پھیر سے تیار کیا گیا ہے۔  
 سر آرنلڈ اور ڈکٹر مارٹن میسے نامور نقاد اور جامع التساویر بے خوف ہو کر لکھتے ہیں کہ ایرانیوں کی وہ تصاویر جو  
 انہوں نے "معراج نبوی" کے متعلق بتائی ہیں عقیقت اور کمال فن کے اعتبار سے یورپ کی بہترین مصوری یعنی  
 حضرت جبریل کے واقعات زندگی کی صورتوں سے بدرجہا بہتر ہیں یہ تو عجم کے فن کی کیفیت ہے۔ عرب کو دیکھو  
 جن کی گفتگو میں شاعری بھری ہوئی ہے۔ صموں کے سر پر دوں کی نقیشتیں۔ صموں کی آرمیش اور کشیدہ کاری تو  
 خاص ان کا ہتان تھا۔ ان کا ہیک شاعر معرکہ مضہ الدولہ کی تعریف میں ایک شعر لکھتا ہے "نسا میں جو عتاب  
 آؤ ہے بے غے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا یہ کوئی کڑا ہے جس پر پرندوں کی تصویریں نقوش میں۔ اور زمین گھوڑوں کی  
 کثرت سے ایک فرش نظر آتی تھی جس پر گھوڑے ہی گھوڑے بنے ہوئے ہوں" یورپ کی سب زبانوں میں  
 عمارتوں کے فن و نگار کا نام عربیہ **Arabisque** ہے "تاکہ ہر کا عجب خانہ آج بھی ایسے  
 نوے دکھاتا ہے جسے دیکھ کر عقل ٹوٹ کر پھٹ جائے مٹی ہے مخدیں نہیں اللہ کے بنے ہوئے عطر وں پر ایک  
 محفل نشا کا تصویر ہے جس کے رنگ ایسے تکیے ہوئے ہیں کہ ہر نظر آتے ہیں گویا مشور نے اسے اسی ابھی تیار کیا  
 ہے۔ رما نے تصویر خانہ کا نشان تک نہ چھوڑا مگر موندی ابھی تک اس کے یوں کی مری تصویروں اور  
 حمایتی تھیلوں کا حوالہ کر رہے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ عربوں کی یہ اسلامی حکومت بھی فنون کی سرپرستی  
 میں دوسروں کے ہم نوا تھی۔ انہوں نے اب خلیفہ ہارون الرشید کے دربار کی مصوری کی یادگار محض موزوں کی  
 بے جان کتابیں ہی رہ گئی ہیں! الف لیلہ اور کلیلہ و سہ میں تصاویر اور دیگر نقوش رنگین کا ذکر دیکھ کر انکسوں  
 کے آگے پرانی عجب کا نقشہ پھرنے لگ جاتا ہے۔

مختصر کا پیغام عالمگیر بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی تہذیب میں ایسا رچا ہوا ہو کہ وہ قدیم روایات کو اپنے  
 مخصوص انفرادی رنگ میں بحال رکھے۔ روایات ہر فن کا خزانہ اور اس کے ازل ابدی ہونے کی نشان دہی  
 مگر ایک بے تصور متبع کے لئے یہ زمینیں ہیں اور ایک مطلق العنان مافوق البشر کے لئے زیور! وہ مختصر ہی  
 کیا جو عظمت کی ظاہری نمائندگی کو اپنے دہن کی گہرائیوں میں جذب نہ کر لے۔ جو پیش پا افتادہ سلک ہی  
 چلتا رہے اور سمندر کے اس کنارے کھڑا اس دوسرے ساحل کو نہ دیکھ سکے جو کشتیاں کی گرد میں ستور ہے



اور جس کی تلاش میں انسان صدیوں سے کوشاں ہیں +

مستور حقیقت کا راز وہاں ہوتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ صنایع عالم نے آسمان پر تاروں کو کس نئے بے ترتیبی سے بکھیر رکھا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ ہر انسان کے خد و خال اور صنایع و اطوار ایک ہی جیسے ہوتے تو زندگی کس قدر دشوار ہو جاتی۔ اس لئے وہ نتیجے سے آزاد ہو کر تخلیق کرتا ہے۔ اور کیسائیت میں امداد کرنے کی بجائے تازہ اختراعات کرتا ہے +

ہر نئی بات۔ ہر نئی تحریک۔ اگر اس میں کوئی زندگی ہے۔ مخالفت کا موجب بنتی ہے۔ تصنیف کے کیچڑ میں لٹھڑا رہنے والا سہل و سزا انسان ہر نئی کردہ۔ ہر نئے نقطہ نظر سے جھجھکتا ہے اور زیندہ سے جگانے والے لوگوں سے گھبراتا ہے۔ کاش وہ جس قدر طاقت اس زندگی کے بڑھتے ہوئے طوفان کو اپنے دائرہ واقفوں سے روکنے میں مصروف کرتا ہے اگر اس سے بہت کم کوشش نئی تحریک کو سمجھنے میں صرف کرے تو تاریخ عالم بے معنی بازگشت سے پاک ہو جائے۔ مگر یہ مخالفت صنایع کو بے دل نہیں کرتی وہ اس سے اور جھکتا ہے۔ اور اپنی انفرادیت کی نشوونما میں زیادہ مصروف ہو جاتا ہے۔

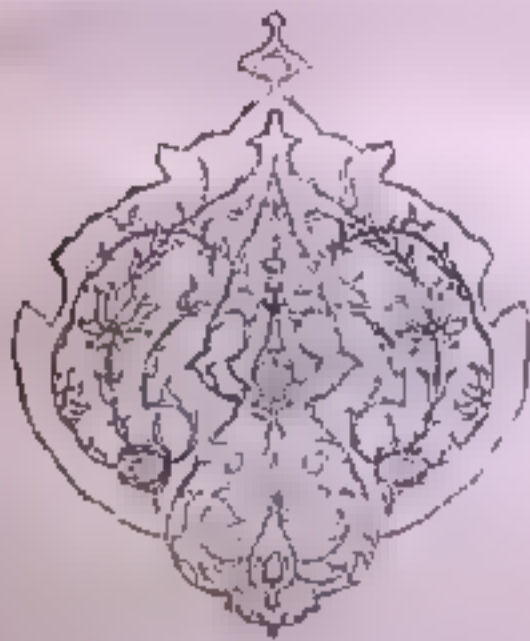
نوار تلخ ترے زن چو ذوق نغمہ کم یابی      صدی را نیز ترے خواں چو محمل را گزین منی

اس میں مغربی اور مشرقی تصور دونوں شریک ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ملک کی مد بندی سے ہمارا فن بالکل پاک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج یورپ میں مصوری کے احیاء کی بنیادیں پڑی ہوئی ہیں۔ اور یورپ کے بہترین نقاد اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں۔ مصور کا کام کائنات کے اسرار کو بے پردہ کرنا ہے۔ پریشانی کو ترتیب دینا ہے۔ اپنے تفکرات کو صورت پذیر بنانا ہے۔ اور جہاں کہیں جو کوئی اس میں زیادہ کامیاب ہے دوسرا اس کی فوقیت کا اعتراف ہی ہے۔ ہاں اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر تہذیب کا طرز خیال الگ ہے۔ اور مصور اپنی ہی تہذیب کے محاسن کا ترجمان ہو سکتا ہے۔ مشرقی اور مغربی مصوری میں امتیاز بھی اسی اسلوب سے کیا جاسکتا ہے۔ ورنہ امتیاز دونوں ملک کے ہر شعبہ میات میں نمایاں ہے۔ مشرقی روحانیت کا جو یا ہے۔ اسے ظاہر کی پشت پر ایک باطن نظر آتا ہے۔ اور مغربی باطن کو بھی ظاہر ہی کا ایک جوہر لطیف خیال کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی نثر و شب کسی مغربی مصور کو ان روحانی بندوں پر پہنچا ہوا دیکھتے ہیں تو اسے "مشرقی" ہونے کی صفت سے متصف کرتے ہیں۔ غائباً



اس کی بہترین مثال جو بھیجی ہو سکتا ہے !  
 محاسن کا معیار وہ تو جگہ تصور ہی کی شخصیت ہے ! تصویر ظاہری منظر کی شبیہ نہیں بلکہ تصور کے اپنے  
 ذہن کی ترجمان ہوتی ہے۔ اور تصور خود وادہی جنوں کے پڑیچ راستوں میں سے قیس عامری کی طرح جیب دہن  
 کی آلائشوں کو دود کرتا ہوا آپ ہی تنہا منزل کی طرف جارہا ہوتا ہے۔ اٹ ! پہلے کیسی عین نظر تھار تھی کہ  
 اس سے قیس کو محبتوں کے جاس میں پہچان لیا اور اپنے آپ کو اس وحشت کے اٹھائے ہوئے غبار میں گم کر دیا !  
 دم چیت ! پیام است شنیدی ؟ نشیدی در خاک تو یک جلوہ عام است ندیدی !  
 دیدن دگر آموزا شتیدن دگر آموزا !

محمد عبدالرحمن چغتائی  
 لاہور







# غزلیات

نفس فزادی ہے کس کی شوخیِ تنہا  
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصور کا  
کاؤ کا وسخت جانیہائے تنہائی نہ پوچھ  
صبح کرنا شام کا لانا ہے جو بے شیر کا  
جذبہ بے خستیا بر شوق دیکھا چاہئے  
سینہ شمشیر سے باہر ہے دھم شیر کا  
آگهی دامِ شنیدن جس قدر چاہے پچھائے  
مدعا عنفتا ہے اپنے عالمِ تقریر کا  
بسکہ ہوں غالب اسیری میں بھی آتشِ زیر پا  
موتے آتش دیدہ ہے حلقہ مرئی زنجیر کا



جز قیس اور کوئی نہ آیا بروئے کار  
 ہشتنگی نے نقش سوید کیا درست  
 تھا خواب میں خیال کو تجھ سے معاملہ  
 لیتا ہوں مکتب غم دل میں سبق ہنوز  
 ڈھانپا کفن نے داغ عیوب پر پیشی  
 تیشے بغیر مر نہ سکا کوہن اسد  
 کہتے ہونہ دیگئے ہم دل اگر پڑا پایا  
 عشق سے طبیعت نے زیت کار پایا  
 دوستدار دشمن ہے اعتماد دل معلوم  
 سادگی و پرکاری بخودی و بشیاری  
 غنچہ پھر لگا رکھنے آج ہم نے اپنا دل  
 حال دل نہیں معلوم لیکن اس قدر یعنی  
 شور پند ناصح نے زخم پر نمک چھڑکا  
 دل مرا سوزِ نہاں سے بے محابا جل گیا  
 دل میں ذوقِ دل و یاد یار تک باقی نہیں  
 میں عدم سے بھی پرستے ہوں ورنہ غافل بارہا  
 عرض کیجئے جو ہر اندیشہ کی گرمی کہاں  
 دل نہیں تجھ کو دکھاتا ورنہ داغوں کی بہار  
 میں ہوں اور افسردگی کی آرزو غالب کر دل

محشر اگر پہنکی چشم سود تھا  
 ظاہر ہوا کہ داغ کا سر مایہ دود تھا  
 جب آنکھ کھل گئی نہ زیاں تھا نہ سود تھا  
 لیکن یہی کہ رفت گیا اور بود تھا  
 میں ورنہ مر لباس میں ننگ و خود تھا  
 سرشتہ شمار رنوم و قیود تھا  
 دل کہاں کہ گم کیجئے ہم نے مدعا پایا  
 درد کی دوا پائی درد بے دوا پایا  
 آہ بے اثر دیکھی نالہ نارسا پایا  
 حسن کو تغافل میں جرات آڑا پایا  
 خون کیا ہوا دیکھا گم کیا ہوا پایا  
 ہم نے بار بار ڈھونڈھا تم نے بار بار پایا  
 آپ سے کوئی پوچھے تم نے کیا مر پایا  
 آتش خاموش کے مانسہ گویا جل گیا  
 آگ اس گھر میں لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا  
 میری آہ آتشیں سے بالی غنقا جل گیا  
 کچھ خیال آیا تھا وحشت کا کہ صحرا جل گیا  
 اس چراغاں کا کروں کیا کار فرما جل گیا  
 دیکھ کر طے نہ تپا کہ اب کی کیا جل گیا



شوق ہر رنگ رقیب سرو سامان نکلا  
 زخم نے داد نہ دی تنگی دل کی یارب  
 بوسے گل مالہ دل وود چراغ محفل  
 دل حسرت زدہ تھا مائدہ لذت وود  
 ہے نو آسوز فنا ہمت و شوار پسند  
 دل میں پھر گریہ نے اک شور اٹھایا غالب  
 دھکی میں مر گیا جو نہ باپ بھرو تھا  
 تھا زندگی میں مرگ کا کھٹکا لگا ہوا  
 تالیف نسخہ سے وفا کر رہا تھا میں  
 دل تاجگر کساحل دریائے خوں ہے اب  
 جاتی ہے کوئی کشمکش اندوہ مشق کی  
 اجاب چارہ ساز بی وحشت نہ کر سکے  
 یہ لاش بے کفن اسد خستہ جاں کی ہے  
 دہر میں نقش و فادہ تسلی نہ ہوا  
 ہنرہ خط سے ترا کا کل سرکش نہ دیا  
 میں نے چاہا تھا کہ اندوہ وفا سے چھوٹوں  
 دل گزر گا وہ خیال سے و ساغری سہی  
 ہوں ترے وعدہ نہ کرنے پر بھی رہی کبھی  
 کس سے محرومی قسمت کی شکایت کیجے

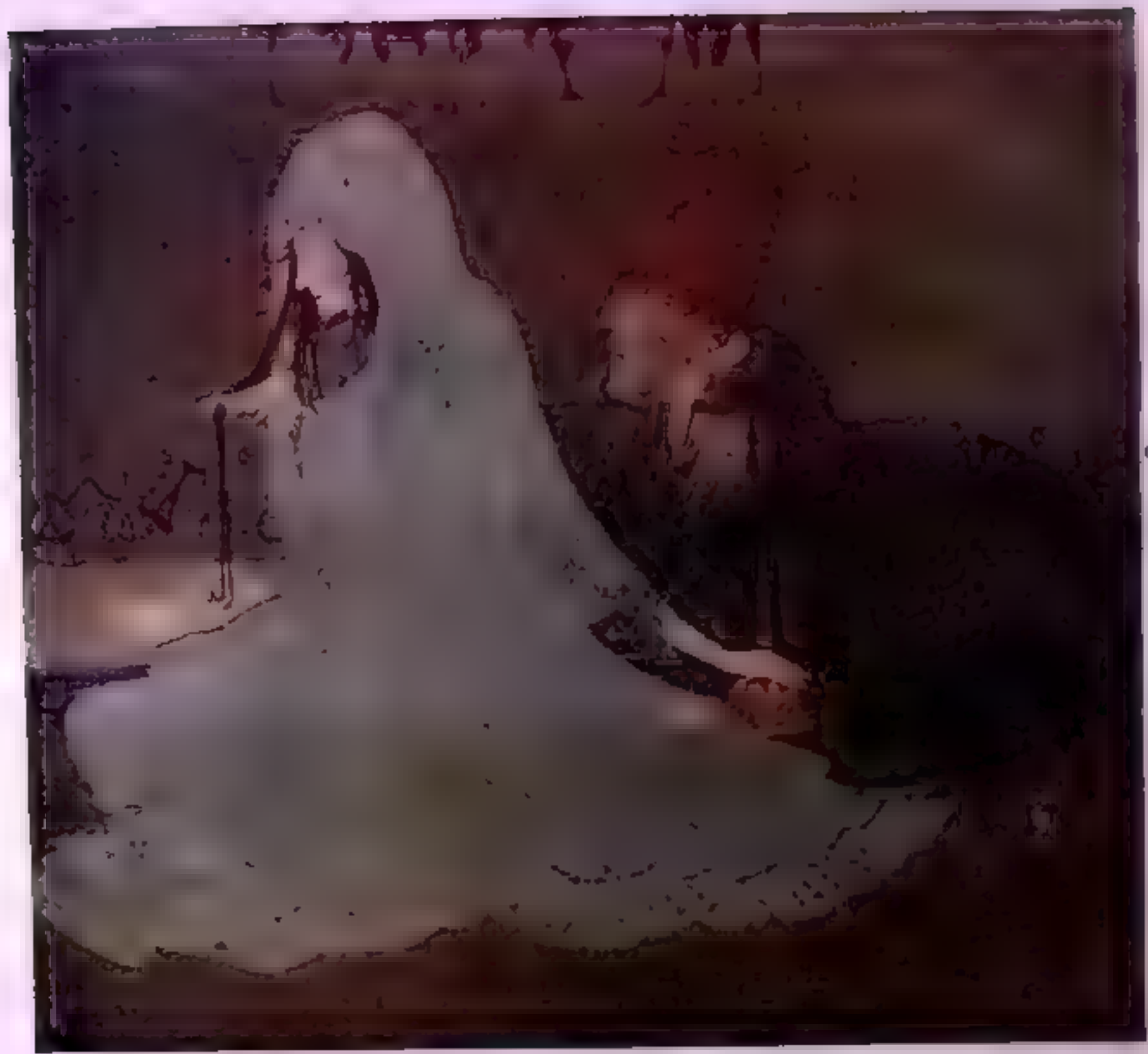
قیس تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا  
 تیر بھی سینہ بسمل سے پرائشاں نکلا  
 جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا  
 کام یاروں کا بقدر لب و دندان نکلا  
 سخت مشکل ہے کہ یہ کام بھی آساں نکلا  
 آہ جو قطرہ نہ نکلا تھا سو طوفان نکلا  
 عشق نبرد پیشہ طلبگار مرد تھا  
 اڑنے سے پیشتر بھی مرانگ نہ رہا تھا  
 مجھوئے غیساں ابھی فروزہ تھا  
 اس رنگہ میں جلوہ گل آگے گرد تھا  
 دل بھی اگر گیا تو وہی دل کا درد تھا  
 زنداں میں بھی خیال سیا باں نور تھا  
 حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا  
 ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندہ معنی نہ ہوا  
 یہ نہ مرد بھی حریف و ہم افی نہ ہو  
 وہ شکر مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہو  
 گر نفس جاوہ سر منزل تقوی نہ ہوا  
 گوش منت کش گلابا نگہ تسلی نہ ہوا  
 ہم نے چاہا تھا کہ مرجاں سو و بھی نہ ہوا



مرگیا صد نہ یک جنبش لب سے غالب  
 ستائش گر ہے زاہد اس قدر جس باغِ رضواں کا  
 بیاں کیا کیجیے بیداد کا و شہائے مژگاں کا  
 نہ آئی بسطوتِ قاتل بھی مانع میرے نالوں کو  
 دکھاؤں گا تماشا دی اگر فرصت زمانے نے  
 کیا آئینہ خانے کا و نقش تیرے جلوہ نے  
 مری تعمیر میں مخمّر ہے اک صورتِ خرابی کی  
 آگاہ ہے گھر میں ہر سو ہنر ویرانی تماشا کر  
 خموشی میں نہاں خوش شستہ لکھوں آرزو میں  
 بنو زاکر پر تو نقشِ خیال یار باقی ہے  
 بگل میں غیر کی آج آپ سوتے ہیں کیوں ورنہ  
 نہیں معلوم کس کس کا لہو پانی ہوا ہوگا  
 نظر میں ہے ہماری جاوہِ راہِ فنا غالب  
 محرم نہیں ہے تو ہی نواوائے راز کا  
 رنگِ شکستہ صبح بہارِ نظارہ ہے  
 تو اور سوئے غیرِ نظر بائے تیز تیز  
 صرف ہے ضبطِ آہ میں سیرا و گردش میں  
 ہیں بسکہ جوشِ بادہ سے شیشے اچھل رہے  
 کاوش کا دل کرے ہے تقاضا کرے ہنوز

ناتوانی سے حریفِ دہم عیسیٰ نہ ہوا  
 وہ اک گلہ سہ ہے ہم بخودوں کے طاقِ نسیاں کا  
 کہ ہر اک قطرہ خوں دانہ ہے تسبیحِ مرجاں کا  
 لیا دانتوں میں جو تینکا ہوا ریشہ تپستاں کا  
 مرا ہر دغِ دل اک تخم ہے سرِ چراغاں کا  
 کرے جوں پر تو خورشید عالم شہنشاں کا  
 ہوئے برقِ خرمن کا ہے خونِ گرم دہقان کا  
 مدار اب کھوئے پرگھاس کے ہے میرے درباں کا  
 چراغِ مژدہ ہوں میں بے زباں گو بر غریباں کا  
 دلِ افسردہ گویا حجرہ ہے یوسف کے زنداں کا  
 سب کیا خواب میں اگر بستم اسے پناہ کا  
 قیامت ہے سرشک آلودہ ہونا تیری مژگاں کا  
 کہ یہ شیرازہ ہے عالم کے اجڑائے پریشاں کا  
 یاں در نہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا  
 یہ وقت ہے شکنجہ گلہائے ناز کا  
 میں وردِ کھتری مژدہ اسے دراز کا  
 طعنے ہوں ایک ہی نفسِ جاگداز کا  
 ہر گوشہ بسا ہے سر شیشہ باز کا  
 ناخن چستہ من اس گردِ نیم باز کا







گوانا کنجشن ٹیکسٹس میں تو دم ہے  
رہنے دراجی ساہو وینا مے آگے



تاراج کاوش غم بھرا ہوا اسد  
 بزم شاہنشاہ میں اشعار کا دفتر کھلا  
 شب ہوئی پھر انجم خشنہ کا منظر کھلا  
 گرچہ ہوں دیوانہ پر کیوں دوست کا کھاؤں فریب  
 گو نہ سمجھوں اس کی باتیں گو نہ پاؤں اس کا بھید  
 بے خیال حسن میں حسن عمل کا سا خیال  
 منہ نہ کھلنے پر ہے وہ عالم کہ دیکھا ہی نہیں  
 در پہ رہنے کو کہا، ور کہہ کے کیسا پھر گیا  
 کیوں اندھیری ہے شب غم ہے بلاؤں کا زول  
 کیا رہوں غربت میں خوش جب ہو حوادث کا یہاں  
 جسکی آنت میں میں میں میرے رہیں کیوں کام نہ  
 شب کہ برق سوز دل سے زہرہ ابراب تھا  
 داں کرم کو عذر بارش تھا عناں گیر غرام  
 واں خود آرائی کو تھا موتی پروئے کا خیال  
 جلوہ گل نے کیا تھا واں چراغاں آب جو  
 یاں سر پر شور نہ جوانی سے تھا دیوار جو  
 یں نفس کرتا تھا روشن شمع بزم بخودی  
 فرش سے تا فرش واں طوفان تھا موج رنگ کا  
 ناگہاں اس رنگ سے کوئی نابھیکا نے لگا

سینہ کہ تھا و فیت گہرا بے راز کا  
 رکھو یا رب یہ در گنجینہ گوہر کھلا  
 اس تکلف سے کہ گویا ہتکدے کا در کھلا  
 آستیں میں دشمنہ پنہاں ناتھ میں خنجر کھلا  
 پر یہ کیا کم ہے کہ مجھ سے وہ پر ہی سپر کھلا  
 غلہ کا ایک در ہے میری گور کے اندر کھلا  
 زلعت سے بڑھ کر نقاب اس شوخ کے منہ پر کھلا  
 جتنے عرصے میں مرا لپٹا ہوا دینے تر کھلا  
 آج ادھر ہی کو رہے گا دیدہ خس تر کھلا  
 نامہ لاتا ہے وطن سے نامہ ہر اکشر کھلا  
 واسطے جس شہ کے غالب گنبد بے در کھلا  
 شعلہ ہوا ہر اک حلقہ گرداب تھا  
 گریہ سے یاں پنبہ پالش کفن سیلاب تھا  
 یاں جھوم اشک میں تارنگہ نایاب تھا  
 یاں رواں مرگان چشم تر سے خون تاب تھا  
 واں وہ فرق ناز و غم بالمش کجواب تھا  
 جلوہ گل واں سپاہ صحبت اجباب تھا  
 یاں میں سے آسمان تک سوختن کا باب تھا  
 دل کہ ذوق کا دشمن ناخن سے لنت یاب تھا



نالادل میں شب انداز اثر نایاب تھا  
 مقدم سیلاب سے دل کیا نشاط آہنگ سے  
 ہارسشیں ایام خاکستر نشینی کیا کہوں  
 کچھ نہ کی اپنے جنون نارسا نے ورزیاں  
 آج کیوں پردائیں اپنے اسیروں کی تجھے  
 یاد کرو وہ دن کہ ہر اک حلقہ تیرے دام کا  
 میں نے روکا رات غالب کو ورنہ دیکھتے  
 ایک ایک قطرہ کا مجھے دینا پڑا حساب  
 اب میں ہوں اور ماتم یک شہر آرزو  
 گلیوں میں میری بخشش کو گھینے پھر کر میں  
 موج سراب وشت ونا کا نہ پوچھ حال  
 کم جانتے تھے ہم بھی غم عشق کو پڑا اب  
 بسکہ و شوار ہے ہر کام کا آساں ہونا  
 گریہ چاہے ہے خرابی مرے کاشانے کی  
 واسے دیوانگی شوق کہ ہر دم مجھ کو  
 جلوہ از بسکہ تقاضائے نگہ کرتا ہے  
 عشرت قتل گراہل تناسست پوچھ  
 لے گئے خاک میں ہم دماغ متائے نشاط  
 عشرت پارہ دل زخم تناسکھانا

تھا پھندہ زخم و جل غیر گوبے تاب تھا  
 غائے عاشق مگر ساز صدا سے آب تھا  
 پہلو سے اندیشہ وقت بستر سنجاب تھا  
 ذرہ ذرہ روکش خورشید غائب تھا  
 کل تلک تیرا بھی دل مہر و وفا کا باب تھا  
 امتیاز حید میں اک دیدہ سے خواب تھا  
 اُس کے سیل گریہ میں گردوں کا سیلاب تھا  
 ذہن جگر و دلیعت مرگاہن یار تھا  
 توڑا جو تو نے آئینہ مثال ار تھا  
 جاں دادہ ہوا سے سر رہنما ار تھا  
 ہر ذرہ مثل چہرہ تیج ابدار تھا  
 دیکھا تو کم ہوئے چشم روزگار تھا  
 آدمی کو بھی شہر نہیں لٹا ہونا  
 در و دیوار سے چپکے ہے بیاہاں ہونا  
 آپ جانا اُدھر اور آپ ہی جیسا ہونا  
 جو ہر آئینہ بھی چاہے ہے مرگاہن ہونا  
 عید نظارہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا  
 تو ہو اور آپ بصد رنگ گلستاں ہونا  
 لذت ریش جگر غرق نسکداں ہونا



کی ہرے قتل کے بعد اُس نے بھا سے توبہ  
 حیف اُس چارہ گرہ کپڑے کی قسمت غالب  
 شب خمار شوق ساقی رختیز اندازہ تھا  
 یک قدم وحشت دیریں دفتر مکاں کھلا  
 مانع وحشت خرامی اے لیلیٰ کون ہے  
 پوچھتے رسوائی انداز استغنائے حسن  
 نالہ دل نے دیئے اور اتنی سخت دل بباد  
 دوست غمخواری میں سیری سعی فرما ینگے کیا  
 بے نیازی حد سے گزری بندہ پرور کب تک  
 حضرت ناصح گرائیں دیدہ و دل فرش راہ  
 آج واں تیغ و کفن بانہ سے بٹھے جاتا ہوں میں  
 گر کیا ناصح نے ہم کو قیہہ انجھائیوں سی  
 خانہ زاد زلفت میں زنجیر سے بھاگینگے کیوں  
 ہے اب اس مہورہ میں قحط غم الفت اس  
 یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصال یا ہوتا  
 ترے وعدے پر جیسے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا  
 تری ناز کی سے جاتا کہ بندھا تھا غم ہوا  
 کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیر نیکش کو  
 یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے میں دوست ناصح

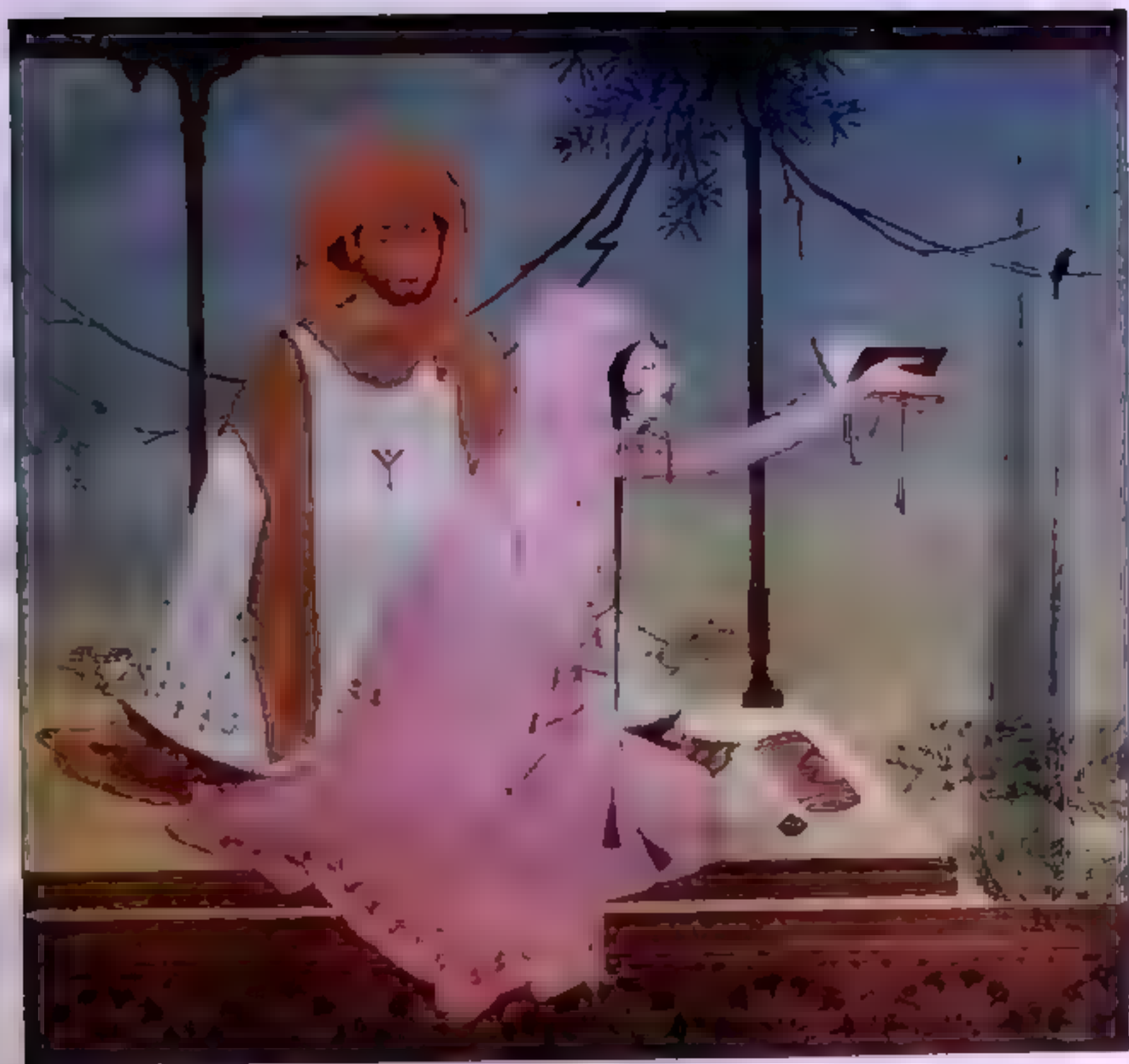
ماے اُس زرد و پشیمان کا پشیمان ہونا  
 جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا  
 تا محیط باد و صورت خانہ خمیازہ تھا  
 جادہ اجڑائے دو عالم داشت کا شیرازہ تھا  
 خانہ مجنون مہر آرد سے دروازہ تھا  
 دست مرمون جنا رخسار رہن غارہ تھا  
 یادگار بنا لے ایک دیواں بے شیرازہ تھا  
 زخم کے بھرنے تک ناخن نہ بڑھائیگے کیا  
 ہم کیسے حال دل اور آپ فرمائیگے کیا  
 کوئی مجھ کو یہ تو سمجھا دو کہ سمجھا کیسے کیا  
 غدر میرے قتل کرتے ہیں وہ اب! کیسے کیا  
 یہ جنون عشق کے انداز چھٹ جائینگے کیا  
 ہیں گرفتار وفانہندہ سے گھبرا ئینگے کیا  
 ہم نے یہ مانا کہ دلی میں ہیں کھا ئینگے کیا  
 اگر اور جیتے رہتے ہیں استطاعت ہوتا  
 کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا  
 کبھی تو نہ توڑ سکتا اگر استوار ہوتا  
 یہ غلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا  
 کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غمگسار ہوتا

رگِ سنگ سے چمکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا  
 غم اگر چہ جاں گسل ہے یہ کہاں بچیں کہ دل ہے  
 کون کس سے نہیں کہ کیا ہے شبِ غم بُری بلا ہے  
 ہونے مر کے ہم جو رہا ہونے کیوں غرقِ دریا  
 اُسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہے وہ یکتا  
 یہ مسائلِ تصوف۔ یہ ترا بیانِ غالب  
 ہوس کو ہے نشاطِ کار کیا کیا  
 تجا بلِ پیشگی سے مدعا کیا  
 نوازشِ بائے بیجا دیکھتا ہوں  
 نگاہِ بے محابا چاہتا ہوں  
 فروغِ شعلہ دُخس یک نفس ہے  
 نفسِ مہجِ محیطِ بے خودی ہے  
 دہخِ عطرِ ہیرا بن نہیں ہے  
 دل ہر قطرہ ہے سازِ انا لہجہ  
 محابا کیا ہے۔ میں ضامن۔ ادھر دیکھ  
 سن اے قارتِ گرجنسِ وقا۔ سن  
 کیا کس نے جگر داری کا دعوئے  
 یہ قابلِ وعدہ صبرِ آزما کیوں  
 بلائے جاں ہے غالبِ امن کی ہر بات

جسے غم سمجھ رہے ہو یہ اگر شہر رہتا  
 غمِ عشق مگر نہ ہوتا غمِ روزگار ہوتا  
 مجھے کیا بُرا تھا مرنے اگر ایک بار ہوتا  
 نہ کبھی جہنمِ زہِ اُٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا  
 جو دوئی کی نو بھی ہوتی تو کہیں دوچار ہوتا  
 تجھے ہم دلی سمجھتے جو نہ بادِ خوار ہوتا  
 نہ ہو مرنے تو سچینے کا مزا کیا  
 کہاں تک اے سراپا نار کیا گیا  
 شکایتِ بائے رنگیں کا بگلا کیا  
 تغافلِ بائے مستکیں آزا کیا  
 ہوس کو پاسِ ناموس و وفا کیا  
 تغافلِ بائے ساقی کا بگلا کیا  
 غمِ آوارگی بائے صبا کیا  
 ہم اُس کے ہیں بہارا پوچھنا کیا  
 شہیدانِ نگہ کا خون ہسا کیا  
 شکستِ قیمتِ دل کی صدا کیا  
 شکپِ خاطرِ عاشق بھلا کیا  
 یہ کافرِ فتنہ طاقتِ رُبا کیا  
 جہارت کیا۔ اشارت کیا۔ ادا کیا



نور اسدیت، برائے نثر و تحقیق  
چون کا بیرونی بحث سے ہی نہیں فانی کا





درخوہ قہر و غضب جب کوئی ہمساز نہ ہوا  
 بندگی میں بھی وہ آزاد و خود ہیں کہ ہم  
 سب کو قبول ہے دعویٰ تری یکیتائی کا  
 کم نہیں از رکش ہنما می چشمِ خواباں  
 سینہ کا داغ ہے وہ نالہ کہ لب تک نہ گیا  
 نام کا میرے ہے جو دکھ کہ کسی کو نہ ملا  
 ہر بے تو سے دم ذکر نہ ٹپکے خونتاب  
 قطرہ میں دجلہ دکھائی دے اور حیرت میں کل  
 حق خبر گرم کہ غالب کے اڑینگے پرزے  
 پے اندر کرم تحفہ ہے شرم نارسائی کا  
 نہ ہو حسن تماشا دوست بر سوای یوفائی کا  
 زکوٰۃ حسن دے نے جلوہ ہینش کہ مہر آسا  
 نہ مارا جان کر بے جرم غافل تیری گردن پر  
 تنہاے زباں بھوسا پس بے زبانی ہے  
 وہی ایک بات ہے جو یافش و انکشت گل ہے  
 وہاں ہر شے پیغارہ جو زنجیر رسوائی  
 نہ دے نامے کو اتنا طول غالب مختصر کو دے  
 گر نہ اندویش فرقت بیاں ہو جائیگا  
 زہرہ گرا یا ہی شامِ حیرت میں ہوتا ہے آب

پھر غلط کیا ہے کہ ہم سا کوئی پیدا نہ ہوا  
 اُسٹے پھر آٹے در کعبہ اگر وا نہ ہوا  
 رو برو کوئی بہت آئینہ ریسانہ ہوا  
 تیرا ہمیشہ سار بڑا کیا ہے گر اچھا نہ ہوا  
 خاک کا رزق ہے وہ قطرہ کہ دریائے ہوا  
 کام میں میرے ہے جو فتنہ کہ برپا نہ ہوا  
 حمزہ کا قصہ ہوا عشق کا چرچانہ ہوا  
 کھیل لڑکوں کا ہوا دیدہ بیسنا نہ ہو  
 دیکھنے ہم بھی گئے تھے یہ تماشا نہ ہو  
 بخون غلطیہ صد رنگ دعویٰ پارسائی کا  
 بہ شہر صد نظر ثابت ہے دعویٰ پارسائی کا  
 چراغ خانہ درویش ہو کا سہ گدائی کا  
 را مانند خون بے گند حق آشنائی کا  
 مٹا جس سے تانا شکوہ بیدست پائی کا  
 چمن کا جلوہ باعث ہے مری شگس فانی کا  
 عدم تک بے وفا چرچا ہے تیری یوفائی کا  
 کہ صبر سنج ہوں عرض تمہا سے جدائی کا  
 بے تکلف داغ سے شہر داناں ہو جائیگا  
 پر تو متا سب سبیلِ خانہاں ہو جائیگا

لے تو لوں سوتے میں اُس کے پاؤں کا بوسہ مگر  
 دل کو ہم صریت و فاسد تھے کیا معلوم تھا  
 سب کے دل میں ہے جگہ تیری جو تو رہی ہوا  
 گر نگاہ گرم فرماتی رہی تسلیم ضبط  
 باغ میں مجھ کو نہ لے جاوے میرے حال پر  
 دانے گر میرا ترا انصاف محشر میں نہ ہو  
 فائدہ کیا سوچ آخر تو بھی دانا ہے اسد  
 اسد ہم وہ جنوں جولاں گدا لے بے سرو پا ہیں  
 دردِ منت کشیں دوا نہ ہوا  
 جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو؟  
 ہم کہاں قسمت آزمائے جا میں  
 کہتے شیریں ہیں تیرے لب کہ قریب  
 بے خبر گرم آن کے آنے کی  
 کیا وہ نمود کی حسد آئی تھی؟  
 جان دی دی ہوئی اُسی کی تھی  
 زخم گردب گیا لہو نہ تھمتا  
 رہزنی ہے کہ دلستانی ہے!  
 کچھ تو پڑھئے کہ لوگ کہتے ہیں  
 بگلہ ہے شوق کو دل میں بھی تنگی جا کا

ایسی باتوں سے وہ کافر بدگماں ہو جائیگا  
 یعنی یہ پہلے ہی تدریجاً متحسناں ہو جائیگا  
 مجھ سے گویا اک زمانہ مہرباں ہو جائیگا  
 تعلق میں قیسے خوش گم میں نہاں ہو جائیگا  
 ہر گل تر ایک چشمِ خوش نشان ہو جائیگا  
 اب تک تو یہ توقع ہے کہ وہاں ہو جائیگا  
 دوستی ناداں کی ہے جی کا زیاں ہو جائیگا  
 کہ ہے سرخیہ مرگاہ آہو پشت خار اپنا  
 میں نہ اچھا ہوا بُرا نہ ہوا  
 اک تماشا ہوا بگلا نہ ہوا  
 تو ہی جب خنجر آزمائے ہوا  
 گالیاں کھا کے بے مزا نہ ہوا  
 آج ہی گھر میں بوریانہ ہوا  
 بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا  
 حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا  
 کام گر ترک گیا روا نہ ہوا  
 لے کے دل دستاں روا نہ ہوا  
 آج غالب غزل سرا نہ ہوا  
 گھر میں نحو ہوا اضطراب دریا کا



یہ جانتا ہوں کہ تو اور پاسخ مکتوب  
 حنائے پائے خزاں ہے بہار اگر ہے بھی  
 غم فراق میں تکلیف سیر باغ نہ دو  
 ہنوز محرمی حسن کو ترستا ہوں  
 دل اس کو پہلے ہی ناز واداسے سے بیٹھے  
 نہ کہہ کر یہ بمقدار حسرت دل ہے  
 فلک کو دیکھ کے کرتا ہوں سکویا داسد  
 قطر دے بسک حیرت سے نفس پرور ہوا  
 اعتبار عشق کی خانہ خرابی دیکھنا  
 جب بقریب سفر یار نے محل باندھا  
 اہل عینش نے جیرت کہہ شوخی ناز  
 یاس و آئینہ نے یک عربہ میاں مانگا  
 نہ بندھے تشنگی ذوق کے مضمون غالب  
 میں اور بزم سے سے یوں تشنہ کام آؤں  
 بے ایک تیر جس میں دو نوچھدے پڑے ہیں  
 در ماندگی میں غالب کچھ بن پڑے تو جانوں  
 گھر ہمارا چو نہ روستے بھی تو ویراں ہوتا  
 تشنگی دل کا گھلہ کیا یہ وہ کافر دل ہے  
 بعد یک عمر دروغ بار تو دیتا بارے

مگر ستمزدہ ہوں ذوق خامہ فرسا کا  
 دوام کاغذ خاطر ہے عیش و تیا کا  
 مجھے دماغ نہیں خندہ ہائے بیجا کا  
 کرے ہے ہر بن مو کام چشم بینا کا  
 ہیں دماغ کہاں حسن کے تقاضا کا  
 مری نگاہ میں ہے جمع و خرچ دریا کا  
 جفا میں اس کی ہے انداز کار فرما کا  
 خط جام سے سراسر رشتہ گوہر ہوا  
 غیر نے کی آہ لیکن وہ تھا مجھ پر ہوا  
 تپش شوق نے ہر ذرہ پہ اک دل باندھا  
 جو ہر آئینہ کو طوطی بسمل باندھا  
 عجز ہمت نے ظلم دل سائل باندھا  
 گرچہ دل کھول کے دریا کو بھی ساحل باندھا  
 گرہیں نے کی تھی تو پست آتی کو کیا ہو تھا  
 وہ دن گئے کہ اپنا دل سے جگر جدا تھا  
 جب رشتہ بے گرہ تھا ناخن گرد کشا تھا  
 بھر گر بھگس نہ ہوتا تو بیا باں ہوتا  
 کہ اگر تشنگ نہ ہوتا تو پریشاں ہوتا  
 کاش رضواں ہی دیر یار کا درباں ہوتا

نہ تھا کچھ۔ تو خدا تھا۔ کچھ نہ ہوتا۔ تو خدا ہوتا  
 ہوا جب غم سے یوں تھیں تو غم کیا سر کے کٹنے کا  
 ہوئی مذت کہ غالب مر گیا۔ پر یاد آتا ہے  
 یک ذرہ زمیں نہیں بیکار۔ باغ کا  
 بے مئے کسے ہے طاقت آشوب کسی  
 بلبل کے کاروبار پہ ہیں خندہ مائے گل  
 تازہ نہیں ہے نشہ فکر سخن مجھے  
 سو بار بند عشق سے آزاد ہم ہوئے  
 بے خون دل ہے چشم میں موج نگہ غبار  
 باغ شگفتہ تیرا۔ بساط نشاط دل  
 وہ مری چین جیوں سے غم پہناں سمجھا  
 یک الفت بیشش نہیں۔ صیقل آئینہ ہنوز  
 شرح اسباب گرفتاری خاطر مست پوچھ  
 بدگمانی نے نہ چاما اُسے سرگرم غرام  
 عجز سے اپنے یہ جانا کہ وہ بد خو ہوگا  
 سفر عشق میں کی ضعف نے راحت طلبی  
 تھا گریزاں مژدہ یا ر سے دل تادم مرگ  
 دل دیا جان کے کیوں اُس کو وفادار اسد  
 پھر مجھے دینے تر یاد آیا

ڈوبیا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا  
 نہ ہوتا اگر جہا تن سے تو زانو پر دھرا ہوتا  
 وہ ہر اک بات پر کہنا۔ کہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا  
 یاں جاوہ بھی قید ہے لالہ کے دماغ کا  
 کھینچا ہے مجھ کو صلہ نے خطایا غ کا  
 کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا  
 تیرا کی مستدیم ہوں دوہ چراغ کا  
 پر کیا کریں۔ کہ دل ہی عدو ہے فراغ کا  
 یہ سیکدہ خراب ہے مے کے سراغ کا  
 ابر بہار۔ عمنسکدہ کس کے دماغ کا  
 راز مکتوب ہے بے ربطی عنوان سمجھا  
 چاک کرتا ہوں میں جب سے کہ گریباں سمجھا  
 اس قدر تنگ ہوا دل کہ میں زنداں سمجھا  
 ٹخ پہ ہر قطرہ عسرق ویدہ حیراں سمجھا  
 نبض خس سے تپش شعلہ سوزاں سمجھا  
 ہر قدم سایہ کو میں اپنے شبستاں سمجھا  
 دفع پیکان قضا اس مستدر آساں سمجھا  
 غلطی کی کہ جو کافر کو مٹلاں سمجھا  
 دل جگر تشنہ فریاد آیا





یہ نظریہ نہیں جیسا کہ  
گرمی ہر جگہ ایک قسم کی ہے



دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز

سادگی مائے تنہا - یعنی

عذروا ماندگی - اے حسرتِ دل

زندگی یوں بھی گزری جاتی

کیا ہی رضواں سے لڑائی ہوگی

او - وہ جڑا ست فریاد کہاں

پھر ترے کوچہ کو جاتا ہے خیال

کوئی ویرانی سی ویرانی ہے!

میں نے مجنوں پر لکین میں سد

ہوئی تاخیر - تو کچھ باعثِ تاخیر بھی تھا

تم سے بچا ہے مجھے اپنی تباہی کا گلہ

تو مجھے بھول گیا ہو - تو پتہ بتلا دوں

قید میں ہے ترے وحشی کو وہی زحمت کی یاد

بجلی اک کو نہ گئی آنکھوں کے آگے تو کیا

یوسف اسکو کہوں اور کچھ نہ کہے! خیر ہوئی

دیکھ کر غیر کو ہو کیوں نہ کلیجہ ٹھنڈا؟

پیشہ میں عیب نہیں رکھنے نہ فرماؤ کو نام

ہم تھے مرنے کو کھڑے پاس نہ آیا نہ سہی

پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناق

پھر ترا وقتِ سفر یاد آیا

پھر وہ نیرنگِ نظر یاد آیا

نالہ کرتا تھا - جسک یاد آیا

کیوں ترا راو گذر یاد آیا

گھر ترا حشر میں گریا دیا

دل سے تنگ آکے جگر یاد آیا

دل گم گشتہ مسکریا دیا

دشت کو دیکھ کے گھریا دیا

سنگ اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

آپ آتے تھے - مگر کوئی عناں گیر بھی تھا

اُس میں کچھ شائبہ خوبیِ تقدیر بھی تھا

کبھی فراق میں تیرے کوئی پنجیر بھی تھا

ہاں کچھ اک رنج گراںباری زنجیر بھی تھا

بات کرتے کہ میں لب تشنہ تقریر بھی تھا

گر بگڑ بیٹھے تو میں لائقِ تعزیر بھی تھا

نالہ کرتا تھا - ولے طالبِ تاثیر بھی تھا

ہم ہی آشفۂ سروں میں وہ جواں سیر بھی تھا

آخر اُس شوخ کے ترکش میں کوئی تیر بھی تھا

اُدھی کوئی ہمارا دم تحسیر بھی تھا

ریتختے کے تمہیں استاد نہیں ہو غالب  
 لب خشک و تشنگی مردگان کا  
 ہرنا اسی سدی سے پہ گمانی  
 تو دوست کسی کا بھی سنگم نہ ہوا تھا  
 چھوڑ رہا خشک کی طرح دستِ قفسا نے  
 توفیق باندا زوہمت ہے ازل سے  
 جب تک کہ نہ دیکھا تھا قدیار کا عالم  
 میں ساوہ دل آزر دگی یار سے خوش ہوں  
 دریا سے حاصل تنگابی سے ہوا خشک  
 بجاری تھی اسد داغ بگر سے مرے تحصیل  
 شب کہ وہ مجلس فروزِ خلوت ناموس تھا  
 مشہدِ عاشق سے کوسوں تک جو انگشتی ہے حنا  
 حاصلِ الفت نہ دیکھا جز شکست آرزو  
 کیا کموں بیماری غم کی فراغت کا بیان  
 آئینہ دیکھ اپنا سامنے لے کے رو گئے  
 قاصد کو اپنے ماتھے سے گردن نہ مار لیے  
 عرضِ نیازِ عشق کے قابل نہیں رہا  
 جاتا ہوں داغِ حسرت ہستی لیے ہوئے  
 مرنے کی اسے دل آوری تہہ پیر کر کہیں

کہتے ہیں اگلے زمانہ میں کوئی میر بھی تھا  
 زیارت کدہ ہوں دل آزر و گاہ کا  
 میں مل ہوں غریب و فاقہ و گاہ کا  
 اوروں پہ ہے وہ ظلم کہ مجھ پر نہ ہوا تھا  
 خورشید ہنوز اس کے برابر نہ ہوا تھا  
 آنکھوں میں ہے وہ قتلہ کہ گوہر نہ ہوا تھا  
 میں معقتدِ فتنہ محشر نہ ہوا تھا  
 یعنی سبقِ شوق مسکرت نہ ہوا تھا  
 میر اسرارِ دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا  
 آتشکہ جاگیرِ سمندر نہ ہوا تھا  
 رشتہ ہر شمعِ غارِ کسوتِ فانوس تھا  
 کس قدر یارب بلاکِ حسرتِ پابوس تھا  
 دل بدل پیوستہ گویا اک لبِ افسوس تھا  
 جو کہ کھایا خونِ دل بے منت کیسوس تھا  
 صاحبِ کو دل نہ دینے پہ کتنا غور تھا  
 اُس کی خطا نہیں ہے یہ میرِ قصور تھا  
 جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا  
 ہوں شمعِ کشتہ درخورِ محفل نہیں رہا  
 شایانِ دستِ دبا زوئے قابل نہیں رہا



برزوئے شش جت در آئینہ باز ہے  
 واکر دیے ہیں شوق نے بند نقاب حسن  
 گوئیں رہا رہیں ستم ہائے روزگار  
 دل سے ہوائے کشت و فامت گئی کرواں  
 بیدار عشق سے نہیں ڈرتا مگر اسد  
 رشک کتا ہے کہ اُس کا غیر سے اخلاص حیف  
 ذرہ ذرہ سا غیر میخانہ نیرنگ ہے  
 شوق ہے سماں طراز نازش ارباب عجز  
 میں اور اک آفت کا ٹکڑا وہ دل حشی کہ ہے  
 شکوہ سنج رشک ہمدیگر نہ رہنا چاہئے  
 ربط یک شیرازہ دشت میں اجزا ہے ہمار  
 کو کہن نقاش یک مثال شیریں تھا اسد  
 ذکر اُس پری دش کا اور پھر بیاں اپنا  
 مے وہ کیوں بہت پیتے نرم غیر میں یارب  
 منظر اک بلندی پر اور ہم بتا سکتے  
 دے وہ جس قدر زلت ہم ہنسی میں ٹالینگے  
 دروہل بکھل کب تک جاؤں انکو دکھلاؤں  
 گھستے گھستے مٹ جاتا آپ نے عبث بدلا  
 بنا کرے نہ غمازی کر لیا ہے دشمن کو

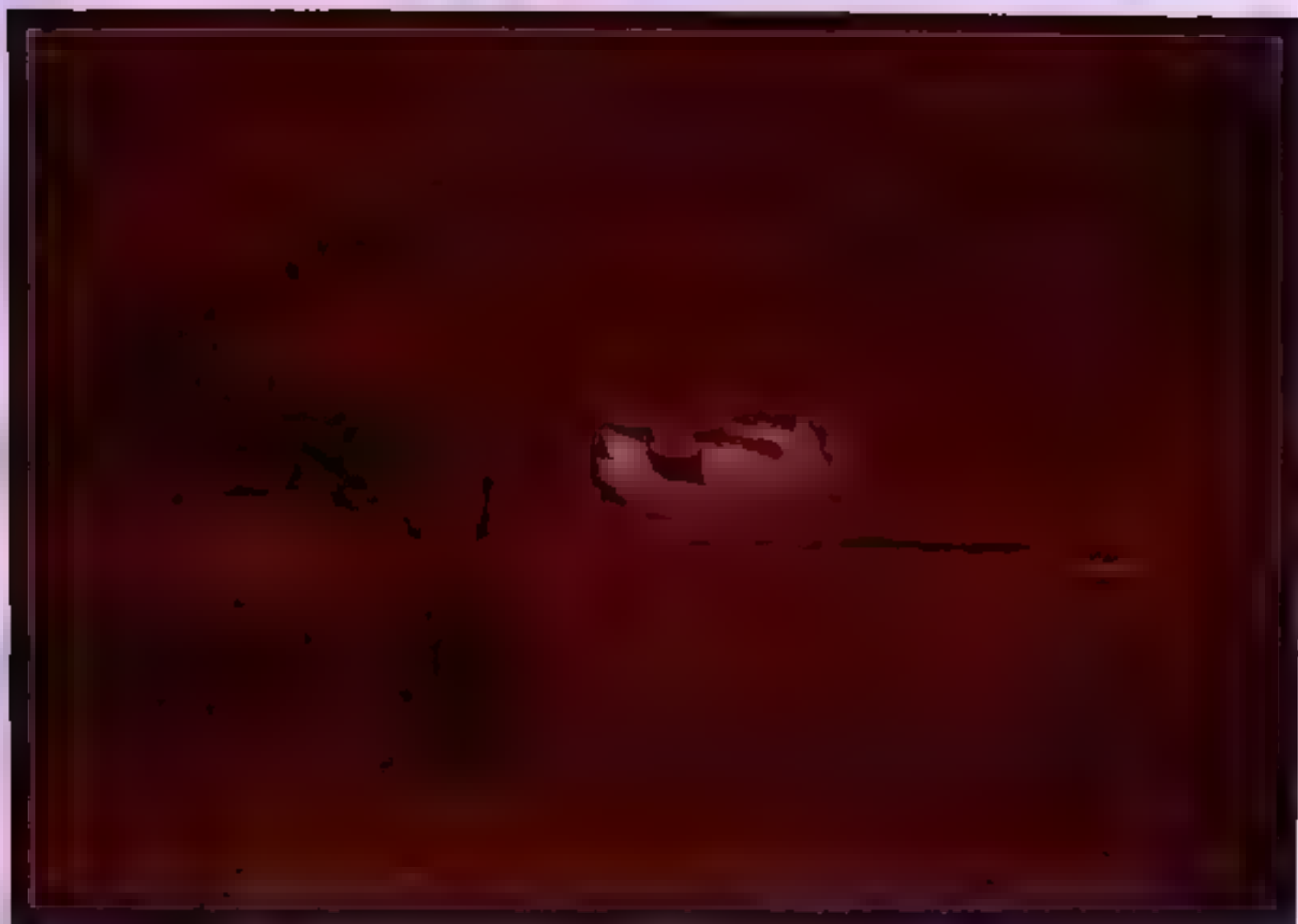
یاں اختیار بنا قص و کامل نہیں رہا  
 غیر از نگاہ اب کوئی حائل نہیں رہا  
 لیکن ترسے خیال سے غافل نہیں رہا  
 حائل سوائے حسرت حاصل نہیں رہا  
 جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا  
 عقل کہتی ہے کہ وہ بے مہر کس کا آشنا  
 گردش مجنون چپکھا ہے لیسلا آشنا  
 ذرہ صحرادست نگاہ و قطرہ دریا آشنا  
 عافیت کا دشمن اور آوارگی کا آشنا  
 میرزا نو بخت اور آئینہ تیرا آشنا  
 سبزہ بیگانہ صبا آوارہ گل نا آشنا  
 سنگ سے سربار کر ہووے نہ پیدا آشنا  
 بن گیا رقیب آخر تھا جو راز داں اپنا  
 آج ہی ہوا منظور اُن کو آتھیاں اپنا  
 عرش سے ادھر ہوتا کاشکے مکاں اپنا  
 بارے آشنا کھلا اُن کا پاساں اپنا  
 انگلیاں فکاہ اپنی خامہ خوں چکاں اپنا  
 ننگ سجدہ سے میرے سنگ آستان اپنا  
 دوست کی شکایت میں ہم نے ہمزباں اپنا

ہم کہاں کے انا تھے کس ہنر میں کیتا تھے  
 شرمہ مفت نظر ہوں مری قیمت یہ ہے  
 رخصت نالہ مجھے دے کہ مبادا قالم  
 غافل ہو ہم ناز خود آرا ہے ورنہ یاں  
 بزم قح سے عیش تنائے رکھ کر رنگ  
 رحمت اگر قبول کرے کیا بعید ہے  
 مقتل کو کس نشاط سے جاتا ہوں میں کہ ہے  
 جاں در ہوائے یک نیک گرم ہے اسد  
 جور سے باز آئے پر باز آئیں کیا  
 رات دن گردش میں ہیں سات آسماں  
 لاگ ہو تو اس کو ہم سمجھیں لگاؤ  
 ہو لئے کیوں نامہ بر کے ساتھ ساتھ  
 موج خوں سر سے گزری کیوں جانے  
 عمر بھر دیکھا کیئے مرنے کی راہ  
 پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے  
 لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی  
 حریف جوشش دریا نہیں خود داری ساحل  
 عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا  
 تجھ سے قسمت میں مری صورت قفل ابجد

بے سبب ہوا غالب دشمن آسماں اپنا  
 کہ رہے چشم خریدار پہ آسماں میرا  
 تیرے چہرے سے بو ظاہر غم پنہاں میرا  
 بے شاد صبا نہیں سترہ گیاہ کا  
 صید زوام جستہ ہے اس نام گاہ کا  
 شرمندگی سے عذر نہ کرنا گناہ کا  
 پُر گل خیال جہنم سے اس ننگاہ کا  
 پروانہ ہے وکیل ترے داد خواہ کا  
 کہتے ہیں ہم تجھ کو منہ دکھلائیں کیا  
 ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبراہٹیں کیا  
 جب نہ ہو کچھ بھی تو دھوکا کھائیں کیا  
 یارب اپنے خط کو ہم پہنچائیں کیا  
 آستان یار سے اٹھ جائیں کیا  
 مر گئے پر دیکھئے دکھلائیں کیا  
 کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا  
 چمن رنگار ہے آئینہ باد بہاری کا  
 جہاں ساقی ہو تو باطل ہے دعویٰ ہوشیاری کا  
 درد کا حد سے گزرتا ہے دوا ہو جانا  
 تھا لکھا بات کے بنتے ہی جدا ہو جانا



ہو میں سے خوشیوں کی دیکھتے تھے  
نے ادا ہو گیا پر سب نے پہنے کابھی





دل ہوا کشمکش چارہ زحمت میں تمام  
 اب بھاسے بھی میرے سر و دم ہم اللہ اللہ  
 ضعف سے گریہ مبتدل بہ دم سرد ہوا  
 دل سے ہٹنا تری انگشت خالی کا خیال  
 ہے مجھے اب بہاری کا برس کر گھلنا  
 گر نہیں محبت گل کو ترے کوچہ کی ہوس  
 تاکہ تجھ پر کھلے اعجاز ہوا سے صیقل  
 بختے ہے جلوہ گل ذوق تماشا غالب  
 شمار سو مرغوب بیت مشکل پسند آیا  
 بغیر بے دلی نو میدی جاوید آساں ہے  
 ہوائے سیر گل آئینہ بے مری قاتل  
 جراحات تحفہ الماس رخسار داغ جگر بدید  
 نہ ہوگا یک بیابان ماندگی سے ذوق کم میرا  
 محبت تھی چمن سے لیکن اب یہ بے دانگی ہے  
 سراپا رہن عشق و ناگزیر الفت ہستی  
 بقدر ظن ہے ساقی خمار تشنہ کامی بھی

مٹ گیا گھسنے میں اس عقدہ کاوا ہو جانا  
 اس قدر دشمن ارباب وفا ہو جانا  
 باور آیا ہمیں پانی کا ہوا ہو جانا  
 ہو گیا گوشت سے ناخن کا جُدا ہو جانا  
 روتے روتے غمِ فرقت میں فنا ہو جانا  
 کیوں ہے گردِ درو جولان صبا ہو جانا  
 دیکھ برسات میں سبز آئینہ کا ہو جانا  
 چشم کو چاہیے ہر رنگ میں وا ہو جانا  
 تماشا نے بیک کف بردن صہ دل پسند آیا  
 کشائش کو ہمارا اعتدال مشکل پسند آیا  
 کہ اندازِ سخن عن لطیفہ بن سہل پسند آیا  
 مبارکباد اسد غنوار جان درو مند آیا  
 جناب موجبِ رفقار سے نقش قدم میرا  
 کوچہ گئے گل سے ناک میں آتا ہے دم میرا  
 عبدست برق کی کرتا ہوں در فسون حاصل کا  
 جو تو دریائے مے ہے تو میں خیاز ہوں حاصل کا

## ب

پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشاموج شراب  
 پوچھت ویر سیدہ مستی ارباب چمن  
 جو ہوا غرقہ مے بخت رسا رکھتا ہے  
 بے یہ برسات وہ موسم کہ عجب کیا ہے اگر  
 چار موج اٹھتی ہے طوفان طرب سے ہر سو  
 جس قدر روح نباتی ہے جگر تشہ ناز  
 بسکہ دوڑے ہے رگ تاک میں خوں ہو ہو کر  
 موج گل سے چراغاں ہے گزر گاہ خیال  
 نشہ کے پردے میں ہے مجھ تا شاے دماغ  
 ایک عالم پہ میں طوفانی کیفیت فیض نسل  
 شرح ہنگامہ ہستی ہے زبے موسم گل  
 ہوش اڑتے ہیں مرے جلوہ گل دیکھ اس

دے بڑھے کو دل دوست شاموج شراب  
 سایہ تاک میں ہوتی ہے ہواموج شراب  
 سر سے گزرے پچی ہے بال ہواموج شراب  
 موج ہستی کو کرے فیض ہواموج شراب  
 موج گل موج شفق موج صبا موج شراب  
 دے ہے تسکین بدیم آب بقا موج شراب  
 شہر رنگ سے ہے بال کشاموج شراب  
 ہے تصور میں زبس جلولہ ناموج شراب  
 بسکہ کھیتی ہے سر نشو و نما موج شراب  
 موج سبز نوخیز سے ناموج شراب  
 رہیر قطرہ دریا ہے خوشاموج شراب  
 پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشاموج شراب

## ت

افسوس کہ دیداں کا کیا رزق فلک نے  
 کافی ہے نشانی تری چھلے کا نہ دینا

جن لوگوں کی تھی درخویر عقد گہر انگشت  
 خالی مجھے دکھلا کے بوقت سفر انگشت



لکھتا ہوں سد سوزشِ دل سے سخن گرم  
 رہا اگر کوئی تا قیامت سلامت  
 جگر کو مرے عیشِ خوں نابہ مشرب  
 علی الزعم دشمن شہید وفا ہوں  
 نہیں گر سرو برگ اور اک معنی  
 مُند گئیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں غالب  
 آمد خط سے ہوا ہے سرو جو بازار دوست  
 اے دل ناعاقبت اندیش ضبطِ شوق کر  
 خانہ ویراں سازی حیرت تماشا کیجئے  
 عشق میں بیداؤ رشکِ غیر نے مارا مجھے  
 چشمِ مارِ دشن کہ اُس بیدرد کا دل شاد ہے  
 غیروں کرتا ہے میری پریشاں کے بھریں  
 تاکہ میں جانوں کہ ہے اُس کی رسانی واں تک  
 جیکہ میں کرتا ہوں اپنا شکوہ ضحمتِ دماغ  
 چپکے چپکے مجھ کو روتے دیکھ پاتا ہے اگر  
 مہربانی اسے دشمن کی شکایت کیجئے  
 یہ غزل اپنی مجھے ہی سے پسند آئی ہے آپ

تارکھ نہ سکے کوئی مرے حرف پر انگشت  
 پھر اک روز مرنے کا ہے حضرت سلامت  
 لکھے ہے خداوند نعمت سلامت  
 مبارک مبارک سلامت سلامت  
 تماشا ہے نیرنگ صورت سلامت  
 یار لائے مری بالیں پہ اُسے پر کس وقت  
 دُور شمع کشتہ تھا شاید خطِ رساں دوست  
 کون لاسکتا ہے تاب جلوہ دیدار دوست  
 صورتِ نقشِ قدم ہوں رفتہ رفتار دوست  
 کشتہ دشمن ہوں آخر گرچہ تھا بیمار دوست  
 دینِ پر خوں ہمارا ساغر سرشار دوست  
 بے تکلف دوست ہو جیسے کوئی غنوار دوست  
 بھگو دیتا ہے پیامِ وعدہ دیدار دوست  
 سر کرے ہے وہ حدیثِ زلفِ عنبر بار دوست  
 ہنس کے کرتا ہے بیانِ شجہی گفتار دوست  
 یا بیاں کیجئے سپاسِ لذتِ آزار دوست  
 ہے روینِ شعر میں غالب ترسِ تکرار دوست



ج

قمری کا طوق طلقہ بیرون در ہے آج  
تارِ نفس کستِ شکار اثر ہے آج  
سیلابِ گریہ در پٹے دیوار و در ہے آج  
اچھا اگر نہ ہو تو سیاح کا کیا علاج

گلشن میں بند و بست بزمِ دگر ہے آج  
آہا ہے ایک پارہٴ دل ہر قفاں کے ساتھ  
اے عافیت کنارہ کراے انتظارِ سامِ پل  
لوہم مریضِ عشق کے تیمار دار ہیں

ج

اگر شراب نہیں انتظارِ ساغر کھینچ  
برنگِ خار مرے آئینہ سے جوہر کھینچ  
کیا ہے کس نے اشارہ کرنا بستر کھینچ  
یکوریِ دل و چشمِ رقیب ساغر کھینچ  
نیامِ پردہٴ زخمِ جگر سے خنجر کھینچ  
بروئے سفر کبابِ دلِ سمندر کھینچ

نفس نہ انجمنِ آرزو سے باہر کھینچ  
کمالِ گرمی سہی تلاشِ دید نہ پوچھ  
تجھے بہانہٴ راحت ہے انتظارِ لے دل  
تری طرف ہے ہر حسرتِ نظارہٴ زنگس  
ہنیم غمزدہ ادا کر حق و دیعتِ ناز  
مرے قدح میں ہے جھبائے آتشِ نہاں

د

بارے آرام سے ہیں اہلِ جفا میرے بعد  
ہوئی معذرتِ ذلی اندازِ ادا میرے بعد  
شعلہٴ عشقِ سیرِ پوشش ہوا میرے بعد

حسنِ غمزدہ کی کشاکش سے چٹا میرے بعد  
نصیبِ شیفگی کے کوئی قابلِ ذرا  
شمعِ کجیبتی ہے تو اس میں سے دھواں اٹھتا ہے





غزواتی کا سدا کس چو غزیرگ ملک  
تجربہ و مہمتی پہ سحر ہونے تک



خوں ہے دل خاک میں حوالِ بتاں پر یعنی  
 در خورِ عرض نہیں جو سبیداد کو جا  
 ہے جنوں اہل جنوں کے لیے آنکوش و داع  
 کون ہوتا ہے حریفِ مے مرد افکن عشق  
 غم سے مرتا ہوں کہ اتنا نہیں دنیا میں کوئی  
 آئے ہے بیکسی عشق پہ رونا غالب

ن کے ناخن ہوئے محتاجِ خامیرے بعد  
 نگہ ناز ہے سرمہ سے قفا میرے بعد  
 چاک ہوتا ہے گریباں سے جدا میرے بعد  
 ہے مکر ز لب ساقی پہ صلا میرے بعد  
 کہ کرے تعزیت مہر و وفا میرے بعد  
 کس کے گھر جائیگا سیلابِ بلا میرے بعد

بلا سے میں جو یہ پیش نظر در و دیوار  
 و فورِ اشک نے کاشانہ کا کیا یہ رنگ  
 نہیں ہے سایہ کہ سن کر فویدِ مقدم یار  
 ہوئی ہے کس قدر ارنائی نے جلوہ  
 جو ہے تجھے سر سودا سے انتظار تو آ  
 نجوم گریہ کا سامان کب کیا میں نے  
 وہ آمارے ہمایہ میں تو سائے سے  
 نظر میں کھٹکے ہے بن تیرے گھر کی آبادی  
 نہ پوچھو خودی عیشِ مقدم سیلاب  
 نہ کہ کسی سے کہ غالب نہیں زمانے میں  
 گھر جب بنا لیا ترے در پر کئے بغیر

نگاہِ شوق کو ہیں بال و پر در و دیوار  
 کہ ہو گئے مرے دیوار و در و دیوار  
 گئے ہیں چند قدم پیشتر در و دیوار  
 کہ مست ہے ترے کوچہ میں ہر در و دیوار  
 کہ ہیں دکانِ مست باغِ نظر در و دیوار  
 کہ گر پڑے نہ مرے پاؤں پر در و دیوار  
 ہوئے فدا در و دیوار پر در و دیوار  
 ہمیشہ روتے ہیں ہم دیکھ کر در و دیوار  
 کہ ناپختہ ہیں پڑے سرمہ در و دیوار  
 حریفِ رازِ محبت مگر در و دیوار  
 جانے گا اب بھی تو نہ مرا گھر کئے بغیر

کہتے ہیں جب ہی نہ مجھے طاقت سخن  
 کام اُس سے آپڑا ہے کہ جس کا جہان میں  
 جی میں ہی کچھ نہیں ہے ہمارے وگر نہ ہم  
 چھوڑ دوں گا میں اُس مت کافر کا پوچھنا  
 مقصد ہے ناز و غمزہ و لے گفتگو میں کام  
 ہر چند ہوشا بدو حق کی گفتگو  
 بہرا ہوں میں تو چاہیے دونوں ہوا لقا  
 غالب ذکر حضور میں تو بار بار عرض  
 کیوں جل گیا نہ تاسپ رخ یار دیکھ کر  
 آتش پرست کہتے ہیں اہل جہاں مجھے  
 کیا آبروئے عشق جہاں عام ہو جہاں  
 آتا ہے میرے قتل کو پر جوش رشاکے  
 ثابت ہوا ہے گردن مینا پہ خون سلق  
 و احسرتا کہ یار نے کینچا ستم سے ماتھ  
 یک جاتے ہیں ہم آپ متاع سخن کے ساتھ  
 زخم زار باندہ شبہ و انداز توڑ ڈال  
 ان آہوں سے پاؤں کے گھبرا گیا تھا میں  
 کیا بدگماں ہے مجھ سے کہ آئینہ میں مرے  
 گرنی تھی ہم پہ برق تجسلی نہ طور پر

جانوں کسی کے دل کی میں کیونکر کے بغیر  
 یوے نہ کوئی نام سستہ کے بغیر  
 سر جانیے یا رہے نہ رہیں پر کے بغیر  
 چھوڑے نہ خلق کو مجھے کافر کے بغیر  
 چلتا نہیں ہے دشمن و خنجر کے بغیر  
 بنتی نہیں ہے باد و ساغر کے بغیر  
 سنتا نہیں ہوں بات مکر کے بغیر  
 ظاہر ہے تیرا حال سب اُن پر کے بغیر  
 جلتا ہوں اپنی طاقت ویدار دیکھ کر  
 سرگرم نالہائے شرر بار دیکھ کر  
 رکتا ہوں تم کو بے سبب آزار دیکھ کر  
 مرتا ہوں اُس کے ماتھ میں تلوار دیکھ کر  
 لرزے ہے موج سے تری زقار دیکھ کر  
 ہم کو حسرتیں لذت آزار دیکھ کر  
 لیکن عیسار طبع حشر یار دیکھ کر  
 رہو چلے ہے راہ کو ہموار دیکھ کر  
 جی خوش ہوا ہے راہ کو چرخار دیکھ کر  
 طوطی کا عکس سجھے ہے زنگار دیکھ کر  
 دیتے ہیں باد و ظلمت قمع خوار دیکھ کر



سر پھوڑنا وہ غالب شوریدہ حال کا  
 لرزتا ہے مراد دل زحمت مہر درخشاں پر  
 نہ چھوڑی حضرت یوسف نے یاں بھی خانہ آرائی  
 فنا تعلیم درس بخودی ہوں اُس زمانے سے  
 فراغت کس قدر رہتی مجھے تشویش مرہم سے  
 نہیں اقلیم اُلفت میں کوئی طومارِ نازِ نایا  
 مجھے اب دیکھ کر ابرِ شفق آلودہ یاد آیا  
 سحر پر وارِ شوق ناز کیا باقی رہا ہوگا  
 نہ زنا صبح سے غالب کیا ہو گرا اُس شدت کی  
 ہے بسکہ ہر اک اُن کے اشاعے میں نشاں اور  
 یارب وہ نہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے مری بات  
 ابرو سے ہے کیا اُس نگہ ناز کو پیوند  
 تم شہر میں ہو تو ہمیں کیا غم جب اٹھیں گے  
 ہر چند بگڑت ہوئے جیت مشکنی میں  
 ہے خونِ جگر جوش میں دل کھول کے روتا  
 مڑتا ہوں اس آواز پہ ہر چند سر اڑ جائے  
 لوگوں کو بے خورشید جہاں تاب کا دھوکا  
 لیتا ہے اگر دل تمہیں دیتا کوئی دمِ حسین  
 پاتے نہیں جب راہ تو چڑھ جاتے ہیں نالے

یاد آگیا مجھے تری دیوار دیکھ کر  
 میں ہوں وہ قطرۂ شبنم کہ ہو خاںِ بیاباں پر  
 سفیدی دیدہ یعقوب کی پھرتی ہے زنداں پر  
 کہ مجنوں لامِ الف لکھتا تھا دیوارِ دبستاں پر  
 ہم گر صلح کرتے پارِ نائے دل نسکداں پر  
 کہ پشتِ چشم سے جس کی نہ ہوئے مہرِ عنوان پر  
 کہ وقت میں تری آتش برتی تھی گلستاں پر  
 قیامت اک ہوا نے تند ہے خاکِ شہیداں پر  
 ہمارا بھی تو آخر زور چلتا ہے گریباں پر  
 کرتے ہیں محبت تو گزرتا ہے گنگھاں اور  
 وے اور دل اُن کو جو نہ وے مجھ کو زباں اور  
 ہے تیر مقرر مگر اس کی سبے کساں اور  
 لے آئیں گے بازار سے جا کر دل و جاں اور  
 ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہے سب سب گراں اور  
 ہوتے جو کئی دیدہ خوشنما بہ قشاں اور  
 جلاؤ کو لیکن وہ کسے جائیں گے ناں اور  
 ہر روز دکھاتا ہوں میں اک داغِ نہاں اور  
 کرتا (جو نہ مڑتا) کوئی دن آہ و فغاں اور  
 رکتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے رواں اور

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اسے تھے  
 صفائے حیرت آئینہ ہے سامانِ رنگِ آخر  
 نہ کی سامانِ عیش و جہاں نے تدبیرِ دشت کی  
 جنوں کی دست گیری کس سے ہو گر ہو نہ غریانی  
 برنگِ کاغذِ آتشِ زودہ نیزِ رنگِ بے تابی  
 فلک سے ہم کو ہمیشہ رفتہ کا کیا کیا تقاضا ہے  
 ہم اور وہ بے سبب رنج آشنا دشمن کہ رکھتا ہے  
 فنا کو سوئے کر مشتاق ہے اپنی حقیقت کا  
 اسدِ بے مل ہے کس انداز کا قاتل سے کہتا ہے  
 ستم کش مصلحت سے ہوں کہ خواہاں تجھ پہ عاشق ہیں  
 لازم تھا کہ دیکھو مرا رستہ کوئی دن اور  
 مٹ جائے گا سر گر ترا پتھر نہ بگھسے گا  
 آئے ہو کل اور آج ہی کہتے ہو کہ جانوں  
 جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملیں گے  
 ہاں اسے فلکِ پیرِ جواں تھا ابھی عارت  
 تم ماہِ شبِ چار و ہم تھے مرے گھر کے  
 تم کون سے تھے ایسے کھرے داد و ستد کے  
 مجھ سے تمہیں نفرت سی تیرے لڑائی  
 گزری نہ بہر حال یہ مدت خوش و ناخوش

کہتے ہیں کہ غالب کا ہے اندازِ بیاں اور  
 تغیرِ آبِ برجامانہ کا پاتا ہے رنگِ آخر  
 ہوا جامِ زمرہ بھی مجھے داغِ پلنگِ آخر  
 گریباں چاک کا حق ہو گیا ہے میری گردن پر  
 ہزار آئینہ دل باندھے ہے بالِ یکِ سپین پر  
 شاعِ بڑہ کو سمجھے ہوئے ہیں قرضِ رہزن پر  
 شاعِ مہر سے تمتِ نگہ کی چشمِ روزن پر  
 فروغِ طالعِ خاشاک ہے موقوفِ گلشن پر  
 توشقِ نازِ کر خونِ دو عالمِ سیری گردن پر  
 تکلفِ بر طرفِ مل جائیگا تجھ سا رقیبِ آخر  
 تنہا گئے کیوں اب رہو تنہا کوئی دن اور  
 ہوں ور پر ترے نامیدہ ترسا کوئی دن اور  
 مانا کہ ہمیشہ نہیں اچھا کوئی دن اور  
 کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور  
 کیا تیسرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور  
 پھر کیوں نہ رہا گھر کا وہ نقشِ کوئی دن اور  
 کرتا ملک الموت تقاضا کوئی دن اور  
 بچوں کا بھی دیکھا نہ تھا سنا کوئی دن اور  
 کرتا تھا جواں مرگ گزارا کوئی دن اور



مے جہاں فکر کشیدن بسے نقشِ زوئے یار  
ماہِ تاب بالِ سپینہ اگر دہا تصویر ہے





ناداں میں جو کہتے ہیں کہ کیوں جیتے ہو غالب

قسمت میں ہے مرنے کی تمنا کوئی دن اور

ز

قارخ مجھے نہ جان کہ مانندِ صبح و بہر  
ہے نازِ مفلساں زرا از دستِ رفتہ  
میخاؤ جگر میں سیاں خاک بھی نہیں  
حریفِ مطلب مشکل نہیں فسون نیاز  
نہ جو بہر زہ سیا باں نور و وہم وجود  
وصالِ جلوہ تاشا ہے پردہ ماغ کہاں  
ہر ایک ذرہ عاشق ہے آفتاب پرست  
نہ پوچھ وسعت میخاؤ جنوں غالب  
وسعتِ سعی کرم دیکھ کہ سرتاسر خاک  
یک قلم کاغذِ آتش زدہ ہے صفحہ دشت  
کیونکر اس بُت سے رکھوں جان عزیز  
دل سے نکلا پہ نہ نکلا دل سے  
تاب لاتے ہی بنے گی غالب  
نہ گلِ نغمہ ہوں نہ پردہ ساز  
تو اور آرائشِ حسنِ کاکل  
لافت تمکینِ سیریب سادہ دلی

ہے داغِ عشق زینتِ جیب و کفن ہنوز  
ہوں گلِ فردوسش شوخیِ داغِ کہن ہنوز  
خیالِ زہ کھینچے ہے بہت بیدار دفن ہنوز  
دعا قبول ہو یا رب کہ عمرِ خضر دراز  
ہنوز تیرے تصور میں ہے نشیبِ فراز  
کہ دستِ سجے آئینہ انتظار کو پرداز  
گئی نہ خاک ہوئے پر ہوا سے جلوہ ناز  
جہاں پہ کاسۂ گردوں ہے ایک خاک انداز  
گزے ہے آبلہ پا ابر گشہ بار ہنوز  
نقشِ پا میں ہے تپِ گرمیِ رنقار ہنوز  
کیا نہیں ہے مجھے ایمان عزیز  
ہے ترے تیسرے کا پیکان عزیز  
واقعہ سخت ہے اور جان عزیز  
میں ہوں اپنی شکست کی آواز  
میں اور اندیشہا سے دور و دراز  
ہم ہیں اور رازِ ما سے سینہ گداز

ہوں گرفتارِ الفتِ صیاد  
وہ بھی دن ہو کہ اُس ستار سے  
نہیں دل میں مرے وہ قطرہ خوں  
اے ترا بلوہ یکِ تسلیم انگیز  
تو ہوا جملوہ گر مبارک ہو  
مجھ کو پوچھا تو کچھ غصہ نہ ہوا  
اسد اللہ خاں متامروا  
ورنہ باقی ہے طاقت پر دواز  
ناز کھینچوں بجائے حسرت ناز  
جس سے مرگیاں ہوئی نہ ہو گلیاں  
اے ترا ظلم سرسبز انداز  
ریزشِ حسرتِ حبیبین نیاز  
میں غریب اور تو غریب نواز  
اے دریغادہ رندِ شاہد باز

س

مرثوہ اے ذوقِ اسیری کہ نظر آتا ہے  
جگر تشنہ آزارِ تسلی نہ ہوا  
نہد گنیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں ہے  
میں بھی ترک ترک کے نہ مہرِ تاجِ زباں کے بدلے  
دہن شیریں جا بیٹھے لیکن اے دل  
دیکھ کر تجھ کو چہن بسکہ نہو کرتا ہے  
مر گیا پھوڑ کے سرِ غالب وحشی ہے ہے  
دامِ خالی نفسِ مرغِ گرفتار کے پاس  
جوئے نوحہ ہم نے بہائی بن ہرنار کے پاس  
خوب وقت آئے تم اس عاشقِ بیمار کے پاس  
دشمنِ اک تہزنا بتا مرے غمخوار کے پاس  
نہ کھڑے ہو جئے خوبانِ دل آزار کے پاس  
خود بخود پہنچے ہے گلِ گوشہ و ستار کے پاس  
بیٹھا اُس کا وہ آکر تری دیوار کے پاس

ش

نہیوے گر خیں جو ہر طراوت بہرہ خط سے  
لگا دے خانہ آئینہ میں روئے نگارِ آتش



فروغ حسن سے ہوتی ہے حل مشکل عاشق      نہ بجلی شمع کے پاس سے نکالے گرد خارش

ع

جادو رہ نور کو وقت شام ہے تار شمع      صبح واکر تا ہے ماہ تو سے آغوش دواع  
ریخ نگار سے ہے سوز حساودانی شمع      ہوئی ہے شمش گل آب زندگانی شمع  
زبان اہل زباں میں ہے مرگ خاموشی      یہ بات بزم میں روشن ہوئی زبانی شمع  
کرے ہے صرف ہر ایماے شعلہ قصہ تمام      بطر ز اہل فنا ہے فسانہ خوانی شمع  
غم اس کو حسرت پر دانہ کا ہے اے شعلہ      ترے لرزنے سے ظاہر ہے ناتوانی شمع  
ترے خیال سے روح بہتر از کرتی ہے      بجلو دریزی بادہ پر قشانی شمع  
تشا دواع غم عشق کی بہار نہ پوچھ      شگفتگی ہے شہید گل سنزانی شمع  
جلے ہے دیکھ کے بالین یار پر مجھ کو      نہ کیوں ہو دل پہ مرے داغ بدگمانی شمع

ف

سیم رقیب سے نہیں کرتے دواع ہوش      مجبوریاں تلک ہوئے اے اختیار حیف  
جلتا ہے دل کر کیوش ہم اک بار جل گئے      اے ناتمامی نفس شعلہ بار حیف

ک

زخم پر چھڑکیں کہاں طفلان بے پروا نک      کیا مزہ ہوتا گر پتھر میں بھی ہوتا نک  
گرد راو یار ہے سامان ناز جزیم دل      ورنہ ہوتا ہے جہاں میں کس قدر سدا نک

مجھ کو ازانی رہے تجھ کو مبارک ہو جیو  
 شورجولاں تھا کنا بھر کس کا کراہ  
 داو دیتا ہے مرے زخم جگر کی داوا  
 چھوڑ کر جانا تین مجروح عاشق حیف ہے  
 غیر کی منت نہ کھینچو نگاپے توفیر درد  
 یاد میں غالب تجھے وہ دن کہ وجہ فراق میں  
 آہ کو چاہئے اک عمر اثر ہونے تک  
 دام ہر سوچ میں ہے حلقہ صد کام تنگ  
 عاشقی صبر طلب اور تمنا بیتاب  
 ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن  
 پر تو خور سے ہے شبنم کو فنا کی تسلیم  
 یک نظر بیش نہیں فرصت ہستی غافل  
 غم ہستی کا اسد کس سے ہو جز مرگ علاج

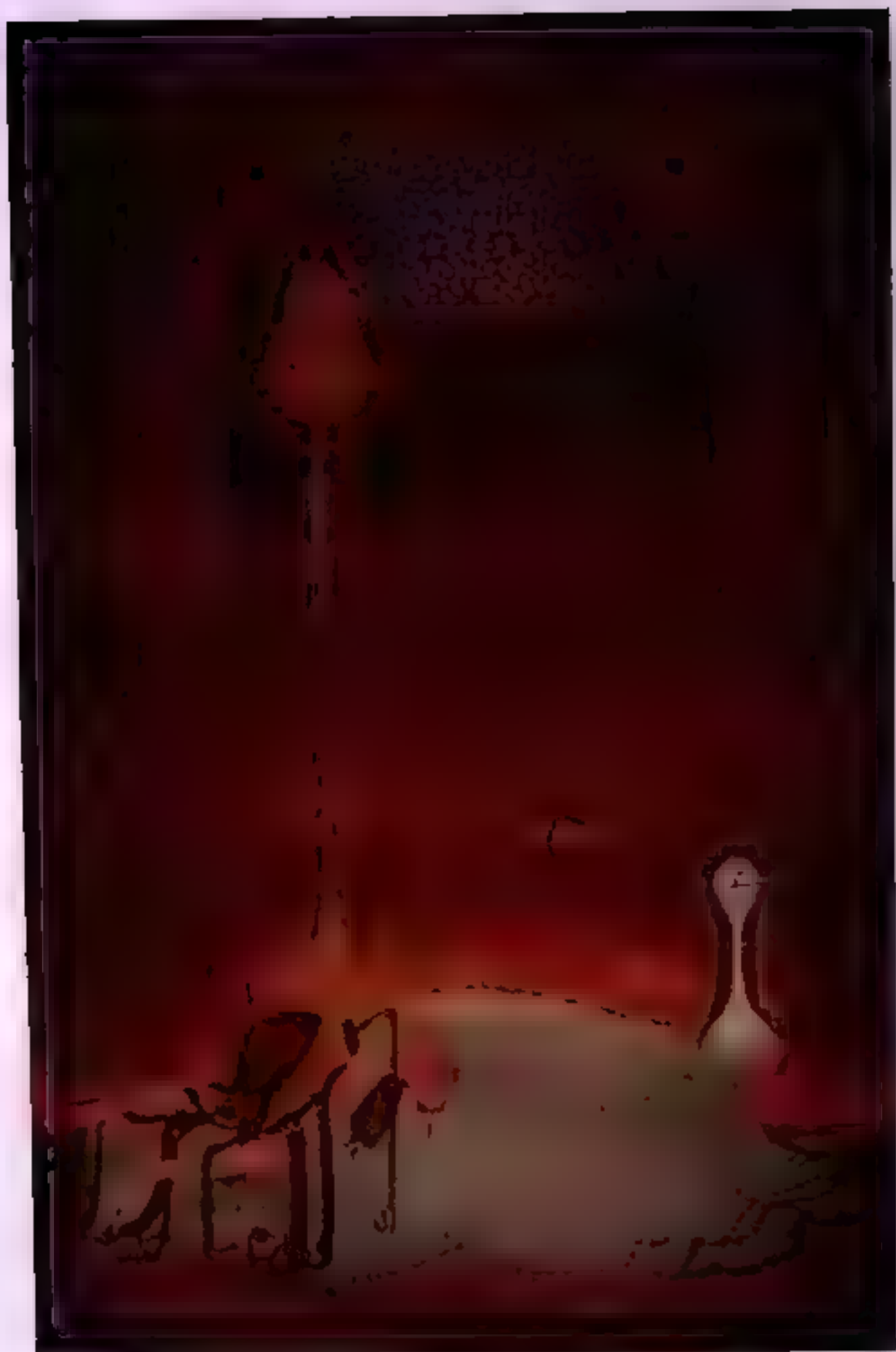
نالہ بلبل کا درد اور خندہ گل کا نمک  
 گرد و سائل ہے ہر جسم جو دریا نمک  
 یاد کرتا ہے مجھے دیکھے ہے وہ جس جانک  
 دل طلب کرتا ہے زخم اور انگلیں میں غنائک  
 زخم مثل خندہ قاتل ہے ستر پائیا نمک  
 زخم سے گرتا تو میں ٹپکوں سے چشتا تھا نمک  
 کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک  
 دیکھیں کیا گزرے ہے قطرہ پہ گھر ہونے تک  
 دل کا کیا رنگ کروں خون جگر ہونے تک  
 خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خیر ہونے تک  
 میں بھی ہوں ایک عنایت کی نظر ہونے تک  
 گرمی بزم ہے اک رقص شرر ہونے تک  
 شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

گ

ہے تجھ کو گریختیں اجابت دعا نہ مانگ  
 اتنا ہے داغ حسرت دل کا شمار یلو  
 یعنی بغیر یک دل ہے دعا نہ مانگ  
 مجھ سے مرے گز کا حساب ہے خدا نہ مانگ







بسم الله الرحمن الرحيم  
الحمد لله رب العالمين

ل

بے کس قدر ہلاک فریب و فائے گل  
 آزاد می نسیم مبارک کہ ہر طرف  
 جوتھا سو موج رنگ کے دھوکے میں مر گیا  
 خوش حال اُس حریف سیرست کا کہ جو  
 ایجاد کرتی ہے اسے تیرے لئے بہار  
 شرمندہ رکھتے ہیں مجھے باد بہار سے  
 سلطوت سے تیرے جلوہ حسن غیور کی  
 تیرے ہی جلوہ کا ہے یہ دھوکا کہ آج تک  
 غالب مجھے ہے اُس سے ہم آغوشی آرزو

بلبل کے کاروبار پہ میں خند و مانے گل  
 ٹوٹے پڑے میں نلقہ و اہم ہوا نے گل  
 اسے واسے نالایب خو میں خوا نے گل  
 رکھتا ہوشل سایہ گل سر پہا نے گل  
 میرا قیب ہے نفسِ عطر سا نے گل  
 مینا نے بے شراب دل بے ہوا نے گل  
 خوں ہے مری نگاہ میں رنگِ ادا نے گل  
 بے اختیار دوڑے ہے گل در قفا نے گل  
 جس کا خیال ہے گل جیب قبا نے گل

م

غم نہیں ہوتا ہے آزادوں کو بیش ازیک نفس  
 محفلیں برجم کرے ہے۔ گنجفہ بازِ فیساں  
 باوجودیک جہاں ہنگامہ سپیدانی نہیں  
 ضعف سے ہے نئے قناعت سے یہ ترکِ جستجو  
 دائم الجس اس میں ہیں لاکھوں تنائیں اس  
 پرتالہ حاصلِ دل بستگی نسیم کر

برق سے کرتے ہیں روشن شمع ماتم خانہ ہم  
 میں ورق گردانی نیرنگ یک بت خانہ ہم  
 میں چہرا خانِ شبستانِ دل پر دانہ ہم  
 میں و بالِ تکیہ گاہ ہمتِ مردانہ ہم  
 جانتے ہیں سیٹھ پرخوں کو زنداں خانہ ہم  
 متاعِ خانہ زنجیر جز صد معلوم



رکھ لی مرے خدا نے مری بیکسی کی شرم  
رکھ لیجو میرے دعویٰ و دستگی کی شرم

مجھ کو دیا بغیر میں مارا دٹن سے دور  
وہ حلقہ پائے زلف کیوں میں میں اسے خدا

## ن

غالب یہ خوف ہے کہ کہاں سے ادا کروں  
وہ شب و روز و ماہ و سال کہاں  
ذوقِ نظر سارہ جمال کہاں  
شورِ سودا سے خط و خال کہاں  
اب وہ عینائی خیال کہاں  
دل میں طاقتِ بگر میں حال کہاں  
واں جو جاویں گردہ میں مال کہاں  
میں کہاں اور یہ وبال کہاں  
وہ عناصر میں استبدال کہاں  
ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو بڑا کہتے ہیں  
کہنے جاتے تو ہیں پر دیکھئے کیا کہتے ہیں  
جو نے نفسہ کو اندوہ رہا کہتے ہیں  
اور پھر کون سے نالے کو رسا کہتے ہیں  
قبلے کو جن خطِ قیاس ناما کہتے ہیں  
خارِ رو کو ترے بسمِ مہر گیا کہتے ہیں

لوں امِ بختِ خفتہ سے یک خوابِ خوش لئے  
وہ فراق اور وہ وصال کہاں  
فرصتِ کار و بار شوق سے کہے  
دل تو دل وہ دماغ بھی نہ رہا  
تھی وہ ایک شخص کے تصور سے  
ایسا آسان نہیں لہر و نا  
ہم سے چھوٹا قمار سنا بہشت  
فکر و تیا میں سرکھپاتا ہوں  
مستعمل ہو گئے توئے غالب  
کی وفا ہم سے تو غیر اس کو جفا کہتے ہیں  
آج ہم اپنی پریشانی غافلہ ان سے  
انگھے وقتوں کے ہیں یہ لوگ! نہیں کچھ نہ کہو  
دل میں آجانے ہے ہوتی ہے جو غمت سے  
ہے پرے سرحد اور اک سے اپنا بسود  
پائے افکار پہ جب سے تجھے حسم آیا ہے

اک شرر دل میں ہے اس سے کوئی گھبرا گیا  
 دیکھنے لاتی ہے اس شوخ کی نخوت کیا رنگ  
 وحشت و شیفہ اب مرثیہ کہیں شاید  
 آبرو کیا خاک اس گل کی جو گلشن میں نہیں  
 ضعف سے اے گریہ کچھ باقی مرے تن میں نہیں  
 ہو گئے ہیں جمع اجڑائے نگاہ آفتاب  
 کیا کہوں تاریکی زندانِ جنم اندھیر ہے  
 رونقِ بہتی ہے عشقِ خانہ ویراں ساز سے  
 زخم سلوانے سے مجھ پر چارہ جوئی کا ہے طعن  
 بسکہ میں ہم اک بہارِ ناز کے مارے ہوئے  
 قطرہ قطرہ اک بیوہ ہے نئے ناسور کا  
 لے گئی ساقی کی نخوت مستلزمِ آشامی می  
 ہوشِ ارضِ ضعف میں کیا ناتوانی کی نمود  
 تھی جن میں شان کیا غالب کہ ہو غربت میں  
 عہدے سے مع ناز کے باہر آسکا  
 حلقے میں چٹھائے کشادہ ہوئے دل  
 میں اور صد ہزار نوابے جسگرِ خروش  
 ظالم مرے گھاں سے مجھے منفعیل نہ چاہ  
 مہربان ہو کے بلا لو مجھے چاہو جس وقت

آگِ مظلوم سے ہم کو جو ہوا کہتے ہیں  
 اس کی بر بات پہ ہم نامِ خدا کہتے ہیں  
 مر گیا غالب آشفۃ نوا کہتے ہیں  
 ہے گریباں رنگِ پیراہن جو دامن میں نہیں  
 رنگ ہو کر اڑ گیا جو خوں کے دامن میں نہیں  
 ذرے اس کے گھر کی دیواروں کے روزن میں نہیں  
 چنہ نور صبح سے کم جس کے روزن میں نہیں  
 انجمن بے شمع ہے گر برقِ خرمن میں نہیں  
 غیر سمجھا ہے کہ مذتِ زخمِ سوزن میں نہیں  
 جلوۂ گل کے سوا گرد اپنے مدفن میں نہیں  
 خوں بھی ذوقِ درد سے فایغِ مرے تن میں نہیں  
 موج نے کی آج رگ سینا کی گردن میں نہیں  
 قد کے جھکنے کی بھی گنجائش مرے تن میں نہیں  
 بے تکلف ہوں وہ مشیتِ خس کہ گلخن میں نہیں  
 گراک ادا ہو تو اسے اپنی قضا کہوں  
 ہر تارِ زلف کو نگہِ سرِ سب کہوں  
 نوادر ایک وہ نشیدن کہ کیا کہوں  
 ہے ہے خدا نہ کرو تجھے بیوفا کہوں  
 میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں

ضعف میں طعن اختیار کا شکوہ کیا ہے  
 زہر ملتا ہی نہیں مجھ کو ستمگر ورنہ  
 ہم سے کھل جاؤ بوقتِ مے پرستی ایک دن  
 غرہ اور جہانائے عالم امکان نہ ہو  
 قرض کی پیتے تھے مے لیکن سمجھتے تھے کراں  
 تنہائے غم کو بھی اسے دل غنیمت جانیے  
 دھول دھپتا اس سرپا ناز کا شیوہ نہیں  
 ہم پر جفا سے ترکِ وفا کا گناہ نہیں  
 کس منہ سے شکر کیجیے اس لطفِ خاص کا  
 ہم کو ستم عزیزِ ستمگر کو ہم عسکرین  
 بوسہ نہیں دے دیجیے دشنام ہی سی  
 ہر چند جانگدازیِ قہر و عتاب ہے  
 جاں مطربِ تراشہ بل من مزید ہے  
 خنجر سے چیر سینہ اگر دل نہ ہو دو نیم  
 ہے تنگِ سینہ دل اگر آتش کشہ نہ ہو  
 نقصان نہیں جنوں میں بلا سے ہو گھر خراب  
 کہتے ہو کیا لکھا ہے تری سر نوشت میں  
 پاتا ہوں اس سے داد کچھ اپنے کلام کی  
 جاں ہے ہوائے بوسہ کے کیوں کہے ابھی

بات کچھ سرتو نہیں ہے کہ اٹھا بھی نہ سکوں  
 کیا قسم ہے ترے ملنے کی کہ کھا بھی نہ سکوں  
 ورنہ ہم چھیڑینگے رکھ کر حدِ برستی ایک دن  
 اس بلندی کے نصیبوں میں ہے پستی ایک دن  
 رنگِ لائیلی ہماری خاقہ مستی ایک دن  
 بے صدا ہو جائیگا یہ سازِ برستی ایک دن  
 ہم ہی کر بیٹھے تھے غالبِ پیشدستی ایک دن  
 اک چھیڑ ہے ورنہ مراد امتحاں نہیں  
 پرسش ہے اور پائے سخنِ دریاں نہیں  
 نامہ رباں نہیں ہے اگر مہرباں نہیں  
 آخر زباں تو رکھتے ہو تم گردباں نہیں  
 ہر چند پشت گرمی تابِ دواں نہیں  
 لبِ پرزدہ سنجِ زمزمۃِ اداں نہیں  
 دل میں چھری چھو مڑہ کر خوشچکاں نہیں  
 ہے عارِ دل نفس اگر آذرِ فشاں نہیں  
 سو گز زمیں کے بدلے بیا باں گراں نہیں  
 گویا جہیں پسندِ بخت کا نشان نہیں  
 روح القدس اگر چہ مرا ہمسزماں نہیں  
 غالب کو جانتا ہے کہ وہ نیچاں نہیں



دیکھ کے سناںچ پکے اسکو کتے پیرانی  
 کو پھینکی ہے امارہ کھڑے پچھو میناکی



مانع دشت نوردی کوئی تہہ نیست نہیں  
 شوق اُن دشت میں ڈٹائے ہے جھکو کر جہاں  
 حسرت لذت آزار رہی جاتی ہے  
 رنج نویسدی جاوید گوار دیو  
 سر کھاتا ہے جہاں زخم سراپا ہوا ہے  
 جب کرم نصبت بیباکی و گستاخی دے  
 غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ  
 ست مرو تک دید میں بھجویں گاہیں  
 برشکال گریہ عاشق ہے دیکھا چاہیے  
 اُلفت گل سے غلط ہے دعویٰ و استغلی  
 عشق تاثیر سے نوید نہیں  
 سلطنت دست بدست آئی ہے  
 ہے تجلی تری سامان وجود  
 راز معشوق نہ رسوا ہو جائے  
 گردش رنگ طرب کے ڈر ہے  
 کہتے ہیں جیتے ہیں امید پہ لوگ  
 جہاں تیرا نقش قدم دیکھتے ہیں  
 دل ہفتنگاں خال کنج دہن کے  
 ترے سرو قامت سے اک قدر آدم

ایک چکر ہے مرے پاؤں میں نجیب نہیں  
 جاوہ غنیمت از نگہ دین تصویر نہیں  
 جاوہ راہ و فاجز دم شمشیر نہیں  
 خوش ہوں گر نال از بونی کش تاثیر نہیں  
 لذت سنگ باند از تفسیر نہیں  
 کوئی تقصیر عجز و خجالت تقصیر نہیں  
 آپ بے بہرہ ہے جو معتقد تیر نہیں  
 میں جمع سویدائے دل چشم میں آہیں  
 کھل گئی مائتہ گل سو جا سے دیوار چمن  
 سرو ہے باوصف آزادی گرفتار چمن  
 جاں سپاری شجر بید نہیں  
 جام مے خاتم جمشید نہیں  
 ذرہ بے پر تو خورشید نہیں  
 ورنہ مر جانے میں کچھ بید نہیں  
 غم مسردی جاوید نہیں  
 ہم کو جینے کی بھی امید نہیں  
 خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں  
 سویدامیں سیر عدم دیکھتے ہیں  
 قیامت کے فتنہ کو کم دیکھتے ہیں



تماشا کراے مجھ آئینہ داری  
 سراغِ نقبِ نالہ لے داغِ دل سے  
 بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالب  
 بلتی ہے خوشے یار سے نارِ التباب میں  
 کب سے ہوں کیا بتاؤں جہاں خراب میں  
 ماما پھر نہ انتظار میں نیند آنے سے  
 قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں  
 مجھ تک کب اُن کی بزم میں آتا تھا دورِ جام  
 جو منکر و قاف ہو فریب اُس پہ کیا چلے  
 میں مضطرب ہوں وصل میں خوفِ رقیب سے  
 میں اور خط و وصل خدا ساز بات ہے  
 ہے تیوری چڑھی ہوئی اندر نقاب کے  
 لاکھوں لگاؤ ایک چہرہ انا نگاہ کا  
 وہ نالہ دل میں خس کی برابر جگہ نہ پائے  
 وہ سحرِ مدعا طبعی میں نہ کام آئے  
 غالب چٹٹی شراب پر اب بھی کبھی بھی  
 کل کے لیے کر آج نہ خست شراب میں  
 میں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند  
 جہاں کیوں بھٹکنے لگتی ہے تن سے دمِ سماع

تجھے کس تمنا سے ہم دیکھتے ہیں  
 کہ شبِ زد کا نقشِ قدم دیکھتے ہیں  
 تماشا شائے اہل کرم دیکھتے ہیں  
 کافر ہوں گر نہ ملتی ہو راحتِ عذاب میں  
 شبِ بے سحر کو بھی رکھوں گرجا میں  
 آنے کا عہد کر گئے آئے جو خواب میں  
 میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں  
 ساتی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں  
 کیوں بدگماں ہوں دوستِ دشمن کے باب میں  
 ڈالا ہے تم کو وہم نے کس بیج و تاب میں  
 جاں نذر دینی بھول گیا اضطراب میں  
 ہے اک شکن پڑی ہوئی طرفِ نقاب میں  
 لاکھوں بناؤ ایک بگڑنا عتاب میں  
 جس نالہ سے شکاف پڑے آفتاب میں  
 جس سحر سے سفینہ رواں ہو شراب میں  
 پیتا ہوں روزِ ابر و شبِ مابتاب میں  
 یہ سوہا ظن ہے ساتی کوثر کے باب میں  
 گستاخی فرشتہ ہماری جناب میں  
 گر وہ صدا سنانی ہے چنگ درباب میں

زو میں ہے خرس عمر کہاں دیکھنے تھے  
 اتنا ہی مجھ کو اپنی حقیقت سے بُد ہے  
 اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے  
 مجھے شتمل نمود و صورت پر وجود بسر  
 شرم اک ادا ئے ناز ہے اپنے ہی سے سی  
 آرایشِ جمال سے فارغ نہیں منور  
 ہے غیب غیب جس کو سمجھتے ہیں ہم شہود  
 غالب ندیم دوست کا آتی ہے بوئے دست  
 حیراں ہوں دل کو روؤں کہ پٹوں بگر کو میں  
 چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لوں  
 جانا پڑا رقیب کے در پر ہزار بار  
 ہے کیا جو کس کے باندھیں میری بلا ڈرے  
 لو وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے سنگ و نام ہے  
 چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک تیز رو کے ساتھ  
 خواہش کو احمقوں نے پرستش دیا قرار  
 پھر بخوردی میں بھول گیا راہ کوئے یار  
 اپنے پہ کر رہا ہوں قیاس اہل دہر کا  
 غالب حسد کرے کہ سوا پرست نہ ناز  
 ذکر میرا بہ ہی بھی اسے منظور نہیں

نے ماتہ باگ پر بے نہ پاسے رکاب میں  
 جتنا کہ وہم غیر سے ہوں بیچ و تاب میں  
 حیراں ہوں پھر شاہد ہے کس حساب میں  
 یاں کیا دھرا ہے قطرہ موج و حباب میں  
 میں کہتے بے حجاب کہ میں یوں حجاب میں  
 پیش نظر ہے آئینہ دائم نقاب میں  
 میں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں  
 مشغول حق ہوں بندگی بو تراب میں  
 مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں  
 ہر اک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کہھر کو میں  
 اسے کاش جانتا تری جس گزیر کو میں  
 کیا جانتا نہیں ہوں تھساری کمر کو میں  
 یہ جانتا اگر تو لٹا تا نہ گھر کو میں  
 پہچانتا نہیں موں ابھی راہ بسر کو میں  
 کیا پوچھا ہوں اس بت بیدار کو میں  
 جاتا و گزرا ایک دن اپنی خیر کو میں  
 سمجھا ہوں دلپذیر متاع ہنسر کو میں  
 دیکھوں علی بہادری عالی گھر کو میں  
 غیر کی بات بگڑ جائے تو کچھ دور نہیں

وعدہ سیر گلستاں ہے خوش طالع شوق  
 شاد بہستی مطلق کی کر ہے عالم  
 قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے دریا لیکن  
 حسرت اے ذوق خرابی کی وہ طاقت رہی  
 میں جو کہتا ہوں کہ ہم لینے کی قیامت میں نہیں  
 ظلم کر ظلم اگر لطفت درین آتا ہو  
 صاف دردی کش پیانہ جم ہیں ہم لوگ  
 ہوں ظہوری کے مقابل میں خفائی غالب  
 نالہ جز حسرت طلب اے ستم ایجاد نہیں  
 عشق و مزدوری عشرت کی خسرو کیا خوب  
 کم نہیں وہ بھی خرابی میں یہ دوسرا علوم  
 اہل سبیش کو ہے طوفانِ جواہر مکتب  
 دے محرومی تسلیم و بداحال وفا  
 رنگ بیکین گل و لالہ پریشاں کیوں ہے  
 سب گھل کے تلے بند کرے ہے گلچیں  
 نفی سے کرتی ہے اثبات تراوش گویا  
 کم نہیں جلوہ گری میں ترے کوچے سے بہشت  
 کرتے کس منہ سے ہو غربت کی شکایت غالب  
 دو تو جہان دے کے وہ سمجھے کہ خوش رہا

مرثوہ قتل مستدر ہے جو مذکور نہیں  
 لوگ کہتے ہیں کہ ہے پر نہیں منظور نہیں  
 ہم کو قتل کیلئے تنگ نظر فی تصور نہیں  
 عشق پر عسر بد کی گوں تن رنجور نہیں  
 کس رعوت سے وہ کہتے ہیں کہ ہم دور نہیں  
 تو تغافل میں کسی رنگ سے معذور نہیں  
 دے وہ بدوہ کا فشر وہ انکور نہیں  
 میرے دعوے پہ یہ شجرت ہے کہ مشہور نہیں  
 ہے تقاضاے جفا شکوہ بیداد نہیں  
 ہم کو تسلیم نکو نامی مسرود نہیں  
 دشت میں ہے مجھے ایش گھر یاد نہیں  
 لطف موج کم از سیلی استاد نہیں  
 جانتا ہے کہ ہیں طاقت فرما نہیں  
 گر چراغان سر ہنگز یاد نہیں  
 مرثوہ اے مرغ کہ گلزار میں صیاد نہیں  
 دی ہے جائے دہن اس کو دم ایجاد نہیں  
 یہی نقش ہے ولے اس قدر آباد نہیں  
 تم کو بے مہری یاران وطن یاد نہیں  
 یاں آپڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کریں





ہر نیکو سرائے میں ہے میرا گل  
میلِ نیکوں کا ہوا دیرِ غم و غنا نہ ہوا

تھک تھک کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے  
 کیا شمع کے نہیں ہیں ہوا خواہ اہل بزم  
 ہو گئی ہے غیر کی شیریں سیانی کارگر  
 قیامت ہے کہ سن لیلیٰ کا دشت قیس میں آنا  
 دل نازک پس کے رحم آتا ہے مجھے غالب  
 دل لگا کر لگ گیا ان کو بھی تنہا بیٹھنا  
 میں نہال آمارہ اجزا آفرینش کے تمام  
 یہ ہم جو بحر میں دیوار و در کو دیکھتے ہیں  
 وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے  
 نظر لگے نہ کہیں اس کے دست و بازو کو  
 ترے جو اسیر طر ف کلد کو کیا دیکھیں  
 نہیں کہ مجھ کو قیامت کا اعتقاد نہیں  
 کوئی کہے کہ شب مر میں کیا بُرائی ہے  
 جو آؤں سامنے ان کے تو مرجانہ کہیں  
 کبھی جو یاد بھی آتا ہوں میں تو کہتے ہیں  
 علاوہ عید کے ملتی ہے اور دن بھی شراب  
 جہاں میں ہو غم و شادی ہم ہیں کیا کام  
 تم انکے وعدہ کا ذکر آج کیوں کرو غالب  
 تیرے تو سن کو صبا باندھتے ہیں

تیرا پستہ نہ پائیں تو ناچار کیا کریں  
 بو غنم ہی جا نگہ از تو غنم خوار کیا کریں  
 عشق کا اس کو گناہ ہم بے زبانوں پر نہیں  
 تعجب سے وہ بولایوں بھی ہوتا ہے زمانے میں  
 یکر سرگرم اس کا فکر کو الفت آزمائے میں  
 بارے اپنی بکسی کی ہم نے پائی دادیاں  
 مہر گردوں سے چراغ رکھنا یاد دیاں  
 کبھی صبا کو کبھی نار بر کو دیکھتے ہیں  
 کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں  
 یہ لوگ کیوں مرے زخم جگر کو دیکھتے ہیں  
 ہم اور ج طالع لعل و گمر کو دیکھتے ہیں  
 شب فراق سے روز جزا زیاد نہیں  
 بلا سے آج اگر دن کو ابر و باد نہیں  
 جو جاؤں واں سے کہیں کو تو خیر باد نہیں  
 کہ آج بزم میں کچھ مست نہ و فساد نہیں  
 گدا سے کو چھ میحنا نہ نامراد نہیں  
 دیا ہے ہم کو خدا نے وہ دل کہ شاد نہیں  
 یہ کیا کہ تم کو اور وہ کہیں کی یاد نہیں  
 ہم بھی مضمون کی ہوا باندھتے ہیں



آہ کا کس نے اثر دیکھا ہے  
 تیری سرعت کے مقابل اے عمر  
 قید ہستی سے رہائی معلوم  
 نشہ رنگ سے ہے واشد گل  
 غافل اے مضامین ست پوچھ  
 اہل تدبیر کی وانا نگیاں  
 سادہ پرکار میں خوباں غالب

دائم پڑا ہوا ترے در پر نہیں ہوں میں  
 کیوں گردش مدام سے گھیرا نہ جانے دل  
 یارب زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لیے  
 حد چاہیے سرا میں عقوبت کے واسطے  
 کس واسطے عزیز نہیں جانتے مجھے  
 رکھتے ہو تم قدم مری آنکھوں سے کیوں دریغ  
 کرتے ہو مجھ کو منع قدم بوس کس لیے  
 غالب وظیفہ خواہ ہو ووشاہ کو دعا  
 سب کہاں کچھ لالہ گل میں نمایاں گئیں  
 یاد تھیں ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آرائیاں  
 تھیں ثنائی بخش گردون گردن کو پرے میں تھیں  
 قید میں معیوب نے لگو نہ یوسف کی خبر

ہم بھی اک اپنی ہوا باندھتے ہیں  
 برق کو پا چستا باندھتے ہیں  
 اشک کو بے سرو پا باندھتے ہیں  
 مست کب بند قبا باندھتے ہیں  
 لوگ نالے کو رسا باندھتے ہیں  
 آبلوں پر بھی حنا باندھتے ہیں  
 ہم سے پیمان وفا باندھتے ہیں

خاک ایسی زندگی پہ کہ پتھر نہیں ہوں میں  
 انسان ہوں پیالہ بساغر نہیں ہوں میں  
 لوح جہاں پہ حرفت مکتور نہیں ہوں میں  
 آخر گناہگار ہوں کافر نہیں ہوں میں  
 لعل و زمرہ و زرد گوہر نہیں ہوں میں  
 رتبے میں مہر و ماہ سے کمتر نہیں ہوں میں  
 کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہوں میں  
 وہ دن گئے کہ کہتے تھے نوکر نہیں ہوں میں  
 خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پناہ ہو گئیں  
 لیکن اب نقش و نگار طاق نسیاں ہو گئیں  
 شب کو انکے جی میں کیا آئی کہ عریاں ہو گئیں  
 لیکن آنکھیں روزین دیوار زنداں ہو گئیں

سب قیہوں سے ہونا خوش پر زبان ہر سے  
 جوئے خوں آنکھوں سے بہنے دو کہ ہے شام فراق  
 ان پر زاروں سے لینگے غلہ میں ہم انتقام  
 نیند اسکی ہے دماغ اسکا ہے راتیں اسکی میں  
 میں چمن ہیں کیا گیا گویا دبستان کھل گیا  
 وہ گاہیں کیوں ہوئی جاتی ہیں بار بار کے پار  
 بسکرو کا میں نے اور سینہ میں بھرے تھے پتے  
 واں گیا بھی میں تو ان کی گالیوں کا کیا جواب  
 جانفزا ہے باد جس کے ماتھے میں جام آگیا  
 ہم سوختہ ہیں ہمارا کیش ہے ترکِ رسوم  
 رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے بج  
 یوں ہی گر روتا رہا غالب تو لے لے لے جاں  
 دیوانگی سے دوش پہ تڑپتا رہی نہیں  
 دل کو نیازِ حسرت و دیدار کر چکے  
 ملنا تڑا اگر نہیں آساں تو سہل ہے  
 بے عشق عمر کٹ نہیں سکتی ہے اوریاں  
 شوریدگی کے ماتھے سے سر پہ ڈال دوش  
 گنجائشِ صدا و ستِ اختیار ایک طرف  
 ڈرنا ہمارے زار سے میرے خدا کو مان

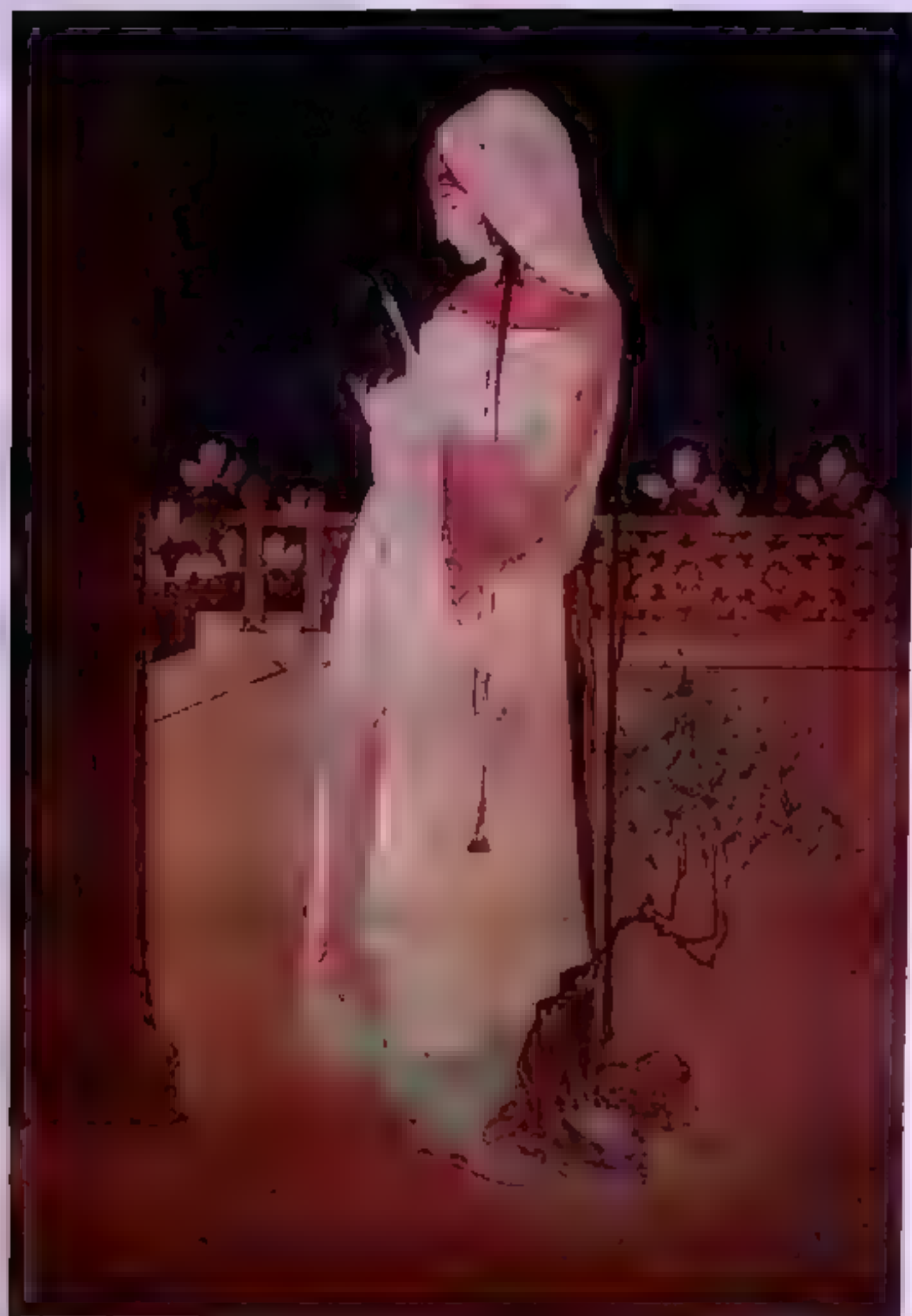
ہے زلیخا خوشش کر ہو ماہ کناس ہو گئیں  
 میں میچوں گاہ کہ شمعیں دو فروزاں ہو گئیں  
 قدرتِ حق سے یہی جو ہیں اگر وہاں ہو گئیں  
 تیری زلفیں جس کے بازو پر پریشاں ہو گئیں  
 بیلین سن کر مرے نالے غزل خواں ہو گئیں  
 جو مری کوتاہی قسمت سے مرگیاں ہو گئیں  
 میری آہیں خمیہ چاک گریباں ہو گئیں  
 یاد تھیں حتی دعائیں صرف دریاں ہو گئیں  
 سب نکیریں اتھ کی گویا رگ جاں ہو گئیں  
 ملتیں جب مٹ گئیں اجڑا ہے ایماں ہو گئیں  
 شکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں  
 دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ ویراں ہو گئیں  
 یعنی ہماری جیب میں اک تار بھی نہیں  
 دیکھا تو ہم میں طاقت دیدار بھی نہیں  
 دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں  
 طاقت بقدر لذتِ آزار بھی نہیں  
 صحرا میں اے خدا کوئی دیوار بھی نہیں  
 پاؤں میں ضعف سے ہوس یا رہی نہیں  
 آخر خواہے مرغ گرفتار بھی نہیں

دل میں ہے یار کی صفِ مرگاں کے رُکشی  
 اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا  
 دیکھا اسد کو خلوت و جلوت میں بار بار  
 نہیں ہے زخم کوئی بخینے کے زخور سے تن میں  
 ہوئی ہے مانعِ ذوق تماشا خانہ ویرانی  
 و رعیت خانہ بیدار کا دشمن مرگاں ہوں  
 بیاں کس سے ہو ظلمت گسری ہر شے بیتاں کی  
 نکو ہش مانع بے ربطی شور جنوں آئی  
 ہوئے اُس مہروش کے جلوہ مثال کے آگے  
 نہ جانوں نیک ہوں یا بد ہوں چرچیت مخالفت  
 ہزاروں دل دیے جوٹ جنونِ عشق نے مجھ کو  
 اسد زندانی تا شیر الفت اے خواباں ہوں  
 مرے جہان کے اپنی نظر میں خاک نہیں  
 مگر غبار ہوئے پر ہوا اڑا لے جائے  
 یہ کس بہشت شامل کی آمد آمد ہے  
 بھلا اسے نہ سہی کچھ مجھی کو جسم آتا  
 خیالِ جلوہ گل سے خراب ہیں میکیش  
 ہوا ہوں عشق کی غارِ تگری سے شرمندہ  
 ہمارے شعر ہیں اب صرف لگی کے اسد

حالانکہ طاقتِ خلستِ شش خار بھی نہیں  
 لڑتے ہیں اور ماتھ میں تلوار بھی نہیں  
 دیوانہ گر نہیں ہے تو ہشیار بھی نہیں  
 ہوا ہے تارِ اشک یا س رشتہ چشمِ روزن میں  
 کفِ سیلاب باقی ہے بزرگِ پنہ روزن میں  
 نگین نام شاہد ہے مرا ہر قطرہ خوں تن میں  
 شبِ سو ہو جو مکہ دیں پنہ دیواروں کے وزن میں  
 ہوا ہے خندہ اجباب بخینہ جیبِ دوا میں  
 پراخشاں جو ہر آئینہ میں مثلِ ذرہ روزن میں  
 جو گل ہوتی ہوں گلشن میں جن جنوں تو ہوں گلشن میں  
 یہ ہو کر سویدا ہو گیا ہر قطرہ خوں تن میں  
 خمِ دستِ نوازش ہو گیا ہے طوق گردن میں  
 سوا سے خونِ جگر سو جگر میں خاک نہیں  
 و گردن تاب تو ان بالِ و پر میں خاک نہیں  
 کہ غیر جلوہ گلِ مرنگِ گز میں خاک نہیں  
 اثرِ مرے نفس بے اثر میں خاک نہیں  
 شرابِ خانہ کے دیوار و در میں خاک نہیں  
 سوائے حسرتِ تعمیرِ گھر میں خاک نہیں  
 کھلا کہ فائدہ عرضِ حسرت میں خاک نہیں



حریفِ جوشِ دریا نہیں خودِ رنیِ ساحل  
جہاں ساقی بہتو بالِ سہجے عوایِ ہوشیاری کا



دل ہی تو ہے زنگِ خشتِ در و بھڑانے کیوں  
 ویر نہیں حرم نہیں ورنہیں آستان نہیں  
 جب وہ جمالِ نفسِ روزِ صورتِ بھرِ نیروز  
 دشتِ غمزدہ جانتاں تاو کب نازِ بے پناہ  
 قیدِ حیات و بندِ غم۔ اصل میں وہ تو ایک ہیں  
 حسن اور اس حسنِ ظن رہ گئی بواہوس کی شرم  
 واں وہ غرورِ عز و نازیباں یہ محابِ پامِ ضلع  
 ہاں وہ نہیں نہ پرست جاؤ وہ بے وفا سی  
 غالبِ خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں  
 غنچہ ہاشمیت کو دور سے ست دکھا کہ یوں  
 پریش طرزِ ولہری کیجیے کیا کہ بن کے  
 رات کے وقت سے پئے ساتھ قریب کوئی  
 غیر سے رات کیا بتی یہ جو کہا تو دیکھیے  
 بزم میں اس کے رو برو کیوں نہ خموش بیٹھیے  
 میں نے کہا کہ بزمِ نازِ چاہیے غیر سے تھی  
 مجھ سے کہا جو یار نے جاتے ہیں ہوش کس طرح  
 کب مجھے کوئے یار میں رہنے کی وضع یاد تھی  
 گر ترے دل میں جو خیالِ دل میں شوق کا زوال  
 جو یہ کہے کہ ریت کیونکہ ہو رشکِ فارسی

نہیں گئے ہم ہزار بار کوئی ہیں ستائے کیوں  
 بیٹھے ہیں بھڑانے پہ ہم غیر ہیں اٹھائے کیوں  
 آپ ہی ہو نظارہ سونہ پر ہے میں نہ چھپانے کیوں  
 تیرا ہی مکس شش سہی سائے تیرے آئے کیوں  
 موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پانے کیوں  
 اپنے پہ اعتماد ہے غیسر کو آزمائے کیوں  
 راہ میں ہم ملیں کہاں بزم میں وہ بلائے کیوں  
 جس کو ہو دین و دل عزیز اسکی گلی میں جانے کیوں  
 روئے زار زار کیا کیجیے ہائے آئے کیوں  
 بوسہ کو پوچھتا ہوں میں مزہ سے مجھے بتا کہ یوں  
 اسکے برباک اشارے سے بکھلے ہے یہ ادا کیوں  
 آئے وہ یاں خدا کرے پر نہ کرے خدا کیوں  
 سامنے نہ بیٹھنا اور یہ دیکھنا کہ یوں  
 اسکی تو خاموشی میں بھی ہے یہی دعا کیوں  
 سن کے سترِ ظہیر نے مجھ کو اٹھا دیا کیوں  
 دیکھ کے میری بخودی چلنے لگی ہوا کیوں  
 آئینہ دار بن گئی حیرتِ نقشِ پا کیوں  
 موجِ محیطِ آب میں سے ہے ہفت و پا کیوں  
 گفتہ غالب ایک رپڑ کے اسے سنا کہ یوں



حسد سے دل اگر افسردہ ہے گرم تماشا ہو  
 بعدِ حسرتِ دل چاہیے ذوقِ معاشی بھی  
 اگر وہ سرد قد گرم حشر ام نماز آجاوے  
 کعبہ میں جا رہا تو نہ دو طعن کیا کہیں  
 غامت میں تا ہے نہ مے و انجیس کی لاگ  
 ہوں منحرف نہ کیوں رہ درہم ثواب سے  
 غالب کچھ اپنی سعی سے لٹا نہیں مجھے  
 وارستہ اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں ہو  
 پھوڑا نہ مجھ میں ضعف نے رنگِ اختلاط کا  
 بے مجھ کو تجھ سے تذکرہ غیر کا گلہ  
 ڈالا نہ بیکسی نے کسی سے معاملہ  
 بے آدمی بجائے خود اک محشر خیال  
 ہنگامہ زبونی ہمت ہے نفعِ سال  
 راستگی بہانہ بیگانگی نہیں  
 مٹتا ہے فوتِ فرصت ہستی کا غم کوئی  
 اس قدر خوش کے در سے اب اٹھتے نہیں  
 قفس میں ہوں گرا چھا بھی نہ جانیں میرے شیون کو

کہ چشمِ تنگ شاید کثرتِ نظارہ سے داہو  
 بھروسہ یک گوشہ دامنِ گر آبِ ہفت دریا ہو  
 کھٹ ہر خاکِ گلشنِ شکلِ قمری نالہ فرسا ہو  
 بھولا ہوں حقِ صحبتِ اہلِ کنشت کو  
 دوزخ میں ڈال دو کوئی لے کر بہشت کو  
 ٹیڑھا لگا ہے قضا تسلیم سرِ نوشت کو  
 خرمن جلے اگر نہ بلخ کھائے کشت کو  
 کیجے ہمارے ساتھ عداوت ہی کیوں ہو  
 بے دل پہ باقرش محبت ہی کیوں ہو  
 ہر چند برسبیل شکایت ہی کیوں ہو  
 اپنے سے کھینچا ہوں خجالت ہی کیوں ہو  
 ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں ہو  
 حاصل نہ کیجے دہر سے عبرت ہی کیوں ہو  
 اپنے سے کر نہ غیر سے وحشت ہی کیوں ہو  
 عمرِ عزیزِ صریحِ عبادت ہی کیوں ہو  
 اس میں ہمارے سر پہ قیامت ہی کیوں ہو  
 مرا ہونا بڑا کیا ہے نواسہِ خجائِ گلشن کو

نہیں گر ہمدی آساں نہ ہو یہ رشک کیا کم ہے  
 نہ نکلا آنکھ سے تیری اک آنسو اس حرست پر  
 خدا شرمائے بافتوں کو کہ رکھتے ہیں کشاکش میں  
 ابھی ہم قتل گر کا دیکھنا آساں سمجھتے ہیں  
 ہوا چرچا جو سیرے پاؤں کی نہ بھیر نہ منے کا  
 خوشی کیا کھیت پر سیرے اگر سو بار ابر آوے  
 وفاداری پشطرط استواری اسل ایماں ہے  
 شہادت تھی مری قسمت میں جو دی تھی یہ جو بھوکو  
 نہ لٹا دن کو تو کب رات کو یوں بے خبر ہوتا  
 سخن کیا کہ نہیں سکتے کہ جو یاں ہوں جو اہر کے  
 مرے شاہد سیماں جاہ سے نسبت نہیں غالب  
 دھوتا ہوں بیس میں پیئے کو اس سمیق کے پانو  
 دی سادگی سے جان پڑوں کو کہن کے پانو  
 بھاگے تھے ہم بہت سو اسی کی سزا ہے یہ  
 مرہم کی جستجو میں پسرانجوں جو دور دور  
 اللہ سے ذوق دشت نوردی کہ بعد مرگ  
 ہے بوٹ گل بیمار میں یاں تک کہ ہر طرٹ  
 شب کو کسی کے خواب میں یا نہ ہو کہیں  
 غالب مرے کلام میں کیونکر مرزا نہ ہو

ندی ہوتی خدا یا آرزوئے دوست دشمن کو  
 کیا سینے میں جس نے نو پچکاں مہنگاں سوزن کو  
 کبھی میرے گریباں کو کبھی باناں کے دامن کو  
 نہیں دیکھا شنار جوئے ٹوں میں تیرے توسن کو  
 کیا بے تاب کاں میں نبش جو ہرنے آہن کو  
 سمجھتا ہوں کہ ڈھونڈتے تھے بھی سے برق خرم کو  
 مرے تھانہ میں تو کبیس میں گارو برہمن کو  
 ہماں تلواری کو دیکھا بھکا دیتا بھکا گردن کو  
 رہا کھٹکا شہ چوری کا دعا دیتا ہوں رہن کو  
 بگاڑ کیا ہم نہیں رکھتے کہ خودیں جا کے معدن کو  
 فریدون و جم و خیر و داراب و بہمن کو  
 رکھتے تھے خدا سے کیج کے باہر لگن کے پانو  
 بیہات کیوں نہ ٹوٹ گئے پیرزن کے پانو  
 ہو کر اسیر دہستے میں ہمسرن کے پانو  
 تن سے سوا نگار ہیں اس خستہ تن کے پانو  
 ہلتے ہیں خود بخود مرے اندر کفن کے پانو  
 اڑتے ہوئے اچھٹے ہیں مرغ چمن کے پانو  
 دکھتے ہیں آج اس بیت نازک بدن کے پانو  
 پیتا ہوں دھوکے خسرو شیریں سخن کے پانو

دال اس کو بول ل ہے تو یاں میں ہوں شرمسار  
 اپنے کو دیکھتا نہیں ذوق ستم تو دیکھ  
 دال پہنچ کر جو غش آتا پئے ہم ہے ہم کو  
 دل کو میں اور مجھے دل مجھ و فارہ تھا ہے  
 ضعف سے نقش پئے سورہ طوق گردن  
 جان کر کچھ تغافل کہ کچھ امید بھی ہو  
 رشک ہم طرحی و درو اثر بانگِ حزین  
 سرا زانے کے جو وعدے کو مکر چاہا  
 دل کے خوں کرنے کی کیا وجہ و لیکن ناچار  
 تم وہ نازک کہ خموشی کو فغاں کہتے ہو  
 لکھنو آنے کا باعث نہیں کس لکھنا یعنی  
 قطع سلسلہ شوق نہیں ہے یہ شہر  
 لینے جاتی ہے کہیں ایک توقع غالب  
 تم جاؤ تم کو غیب سے جو رسمِ راہ ہو  
 پہنتے نہیں مواخذہ روزِ حشر سے  
 کیا وہ بھی بگینے کُشن حق ناشناس ہیں  
 ابھرا ہوا نقاب میں ہے ان کے ایک تار  
 بب سیکہ و چٹا تو پھر اب کیا جگہ کی قید  
 سنتے ہیں جو بہشت کی تعریف سب درست

یعنی یہ میری آد کی تاشیر سے نہ ہو  
 آئینہ تاکہ دیدہ پنچیسر سے نہ ہو  
 صدر آہنگ زمیں بوس قدم ہے ہم کو  
 کس قدر ذوق گرفتاری ہم ہے ہم کو  
 تیرے کو چے سے کہا طاق ترم ہے ہم کو  
 یہ نگاہِ مستلط انداز تو سم ہے ہم کو  
 نالہ مرغِ سحر تیغِ دو دم ہے ہم کو  
 ہنس کے بولے کہ تیرے سر کی قسم ہے ہم کو  
 پاس ہے زونقی دین اہم ہے ہم کو  
 ہم وہ عاجز کہ تغافل بھی ستم ہے ہم کو  
 ہوں سیر و تماشا سو وہ کم ہے ہم کو  
 عزم سیرِ بخت و طوبت حرم ہے ہم کو  
 جادو رکشش کا لب کرم ہے ہم کو  
 مجھ کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو  
 قاتل اگر رقیب ہے تو تم گواہ ہو  
 مانا کہ تم بشر نہیں خورشید و ماہ ہو  
 مرتابوں میں کہ یہ نہ کہی کی بگاہ ہو  
 سجد ہو در رس ہو کوئی خافتا ہو  
 لیکن خدا کرے وہ ترمی بسلو دگاہ ہو



سازیک درہنہ فنیں چین سے بیکار سایہ لالہ بے داغ سویدائے بہار



سازِ یک ذرہ نہیں فضا پر چمن سے بیکار  
سایہ لالہ ہے ، داغ سودا سے بہار

دل بھی گرنے ہو تو کچھ ایسا ضرر نہیں  
 مگر وہ بات کہ ہو گفتگو تو کیونکر ہو  
 ہمارے ذہن میں اس شکر کا بے نام وصال  
 ادب ہے اور یہی کشمکش تو کیا کیجے  
 تمہیں کہو کہ گزارا صنم پرستوں کا  
 اُبھتے ہو تم اگر دیکھتے ہو آئینہ  
 جسے نصیب ہو روز سیاہ میرا سا  
 ہمیں پھر ان سے اُنید اور اُنھیں تارِ قدر  
 غلط نہ تھا ہمیں خط پر گھماں ستلی کا  
 بتاؤ اس مرثوہ کو دیکھ کر کہ مجھ کو قرار  
 مجھے جنوں نہیں غالب دے بقول حضور  
 کسی کو دے کے دل کوئی نواں بیخ فغاں کیوں ہو  
 وہ اپنی خود نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں چھوڑیں  
 کیا غنوار نے رُسا لگے آگ اس محبت کو  
 وفا کیسی کہاں کا عشق جب سر چھوڑا ٹھہرا  
 قفس میں مجھ سے روداد چمن کہتے نہ ڈر ہم  
 یہ کہہ سکتے ہو ہم دل میں نہیں پر یہ بتاؤ  
 غلط ہے جذبِ دل کا شکوہ دیکھو جرم کس کا ہے  
 یہ فرستہ آدمی کی خانہ دیرانی کو کیا کم ہے

دنیا ہو یا رب اور مرا بادشاہ ہو  
 کسے سے کہو نہ ہوا پھر کہو تو کیونکر ہو  
 کہ گرنے ہو تو کہاں جائیں ہو تو کیونکر ہو  
 حیا ہے اور یہی گو گو تو کیونکر ہو  
 بتوں کی ہو اگر ایسی ہی ہو تو کیونکر ہو  
 جو تم سے شہر میں ہوں ایک دو تو کیونکر ہو  
 وہ شخص دن نہ کہے رات کو تو کیونکر ہو  
 ہماری بات ہی پوچھیں نہ دو تو کیونکر ہو  
 نہ مانے دین دیدار ہو تو کیونکر ہو  
 یہ میث ہو رگب جاں میں فرد تو کیونکر ہو  
 فراقِ یار میں تسکین ہو تو کیونکر ہو  
 نہ ہو جیل ہی سینہ میں تو پھر نہ میں یاں کیوں ہو  
 سبک سرن کے کیا پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو  
 نہ لاوے تاب جو غم کی وہ میرا راز داں کیوں ہو  
 تو پھر اے سنگدل تیرا ہی سنگِ ستاں کیوں ہو  
 گری ہے جس پہ کل بھل وہ میرا شیاں کیوں ہو  
 کہ جیل میں تھیں تم ہو تو آنکھوں سے نہاں کیوں ہو  
 نہ کھینچو گر تم اپنے کو کشاکش دریاں کیوں ہو  
 ہوئے تم دوست جسکے دشمن کساں کیوں ہو



یہی ہے آزمانا تو ستانا کس کو کہتے ہیں  
 کما تم نے کہ کیوں ہو غیر کے ملنے میں سوائی  
 نکالنا چاہتا ہے کام کیا طعنوں سے تو غالب  
 رہنے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو  
 بے در و دیوار سا اک گھر بنایا چاہیے  
 پڑیے گریہ مار تو کوئی نہ ہو تیار دار

عدو کے ہو لیے جب تم تو میرا استخاں کیوں ہو  
 بچا کہتے ہو سچ کہتے ہو پھر کہیو کہ ہاں کیوں ہو  
 ترے بے مہر کہنے سے وہ تجھ پر مہرباں کیوں ہو  
 ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہمزباں کوئی نہ ہو  
 کوئی ہمسایہ نہ ہو اور پاسباں کوئی نہ ہو  
 اور اگر مر جائیے تو تو نہ خواں کوئی نہ ہو

۵

از مہر تاجہ ذرہ دل : دل ہے آئینہ  
 ہے بسند زار ہر در و دیوار عین کدہ  
 ناچار بیکسی کی بھی حسرت اٹھائیے

طوطی کو شش جہت سے مقابل ہے آئینہ  
 جس کی بیماری ہو پھر اس کی خزانہ پوچھ  
 دشواری رو درستم منسرباش پوچھ

ی

صد جلوہ رو ہو ہے جو مرگاں اٹھائیے  
 بے سنگ پر بات معاش جنون عشق  
 دیوار بارہشت مزدور سے ہے خم  
 یا میرے زخم رشک کو رسوا نہ کیجیے  
 مسجد کے زیر سایہ خرابات چاہیے  
 عاشق جوئے میں آپ بھی ایک ور شخص ہے

طاقت کہاں کہ دید کا احساں اٹھائیے  
 یعنی ہنوز مشیت طیف لڑا اٹھائیے  
 اے خانان خراب احساں اٹھائیے  
 یا پردہ تبسم نہم پال اٹھائیے  
 یحیٰ بن اس آنکھ بستہ حاجات چاہیے  
 آخر مہم کی کچھ تو مکافات چاہیے

سیکھیں میں زخون کئی ایسے ہم مصوری  
نے سے غرض نشاط ہے کس کو سیاہ  
ہے رنگ لالہ گل و نسرس جدا جدا  
مر پائے تم پہ چاہیے ہنگام بخودی  
یعنی چسپ گردشیں پیماہ صفات  
نشو و نما ہے اصل سے غالب فروغ کو

بسا عجیب میں تھا ایک دل یک قطرہ خوں وہ بھی  
ہے اس شوخ سے آرزو دم چندے تکلف سے  
خیال مرگ کب تسکین دل آرزو کو بخشے  
نہ کرتا کاشش نار مجھ کو کیا معاوم ہمت ہم  
نہ اتنا بزمشیں تیغ جفا پر ناز و سنسراؤ  
سے عشرت کی خواہش ساقی گردوں کیا کیجے  
مے دل میں ہے غالب شوقِ صل و شکوہ ہجران  
ہے بزمِ بتاں میں سخن آرزو لبوں سے  
ہے دورِ قسح و جد پریشانی منہا  
رندانِ درمیکدہ گستاخ ہیں ناہ  
بیدا و وفا دیکھ کہ جاتی رہی آخر  
تاجم کو شکایت کی بھی باقی نہ رہے جا  
غالب ترا احوال سنا دینگے ہم ان کو

تقریب کچھ تو بہنبر ملاقات چاہیے  
اک گونہ بخودی مجھے دن ات چاہیے  
ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہیے  
رؤ سوئے قبلہ وقت ملاجات چاہیے  
عارف ہمیشہ مست ہے ذات چاہیے  
خاموشی ہی سے نکلے ہے جوابات چاہیے

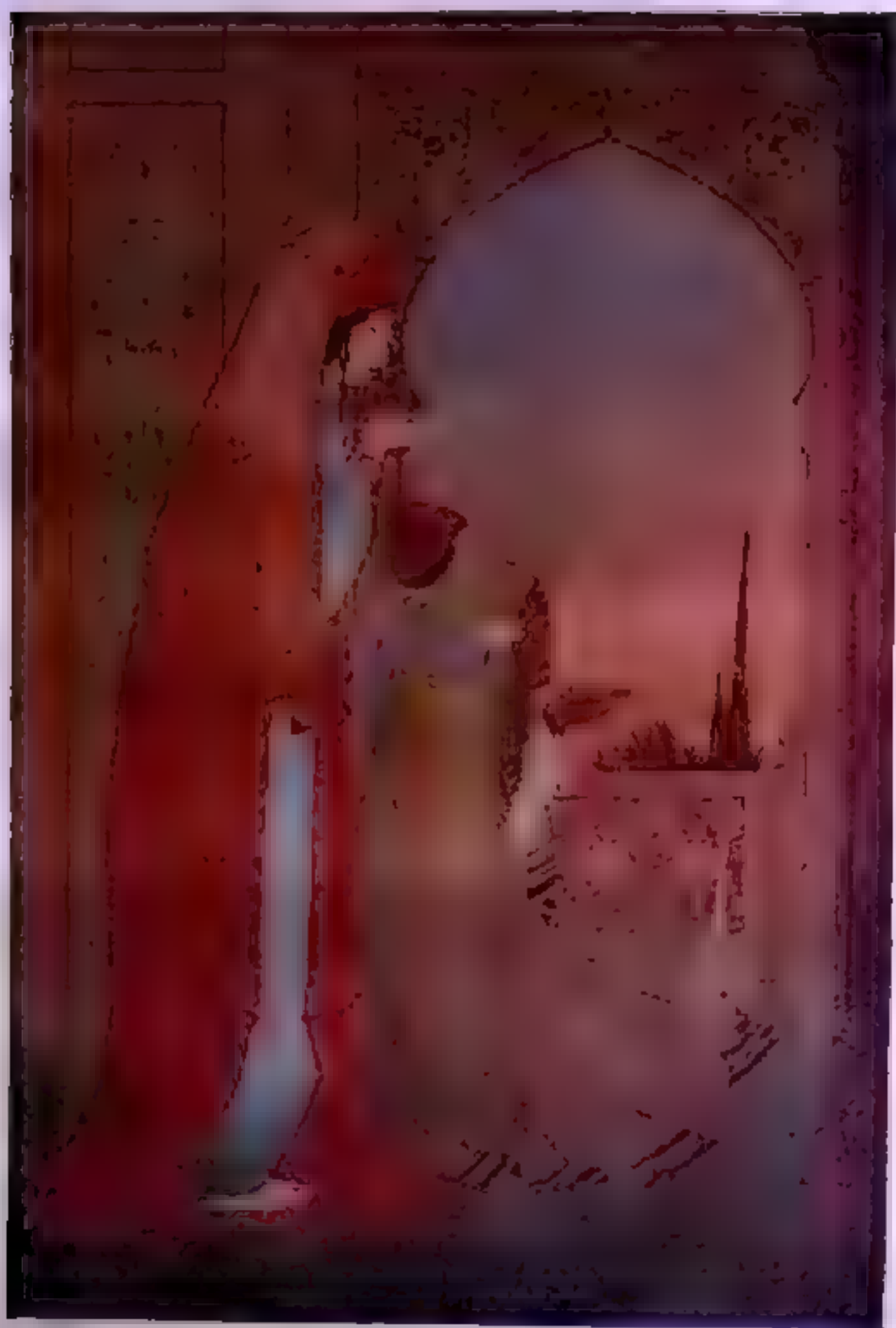
سو رہتا ہے باندا ز چکیدن سرنگوں وہ بھی  
تکلف برطرف تھا ایک انداز جنوں وہ بھی  
مرے دامِ تنہا میں ہے اک عیدِ زبوں وہ بھی  
کہ ہوگا باعثِ افزائش در و دروں وہ بھی  
مے دریائے بیتابی میں ہے اک موجِ خوں وہ بھی  
لیئے بیٹھا ہے اک درچار جام و شرگوں وہ بھی  
خدا وہ دن کرے جو اس سے میں یہ بھی کوں وہ بھی  
تنگ آئے ہیں ہم ایسے خوشامدِ طلبوں سے  
یک بار لگا دو خیمے میرے لبوں سے  
ز نہار نہ ہونا طرف ان بے اوہوں سے  
ہر چند مری جان کو تھار پٹ لبوں سے  
من لیتے ہیں گو ذکر ہمارا نہیں کرتے  
وہ سن کے بلا لیں یہ اجارا نہیں کرتے

گھر میں تھا کیا کہ ترا غم اُسے غارت کرتا  
 غم دنیا سے گر پانی بھی فرست سرائخانے کی  
 کھلے گا کس طرح مضمون مرے مکتوب کا یارب  
 پینٹا پر نیاں میں شعلہ آتش کا آساں ہے  
 انھیں متلور اپنے زخمیوں کا دیکھ آنا تھا  
 ہماری سادگی تھی التفاس تازہ پر مرنا  
 لکھ کو سب حوادث کا تحمل کر نہیں سکتی  
 کہوں کیا خوبی اوضاع بنائے زماں غالب  
 حاصل سے ماتھ دھو بیٹھ اے آرزو خرامی  
 اُس شمع کی طرح سے جس کو کوئی بجھا دے  
 کیا تنگ تم ستم زدگاں کا جہان ہے  
 ہے کائنات کو حرکت تیرے ذوق سے  
 حالانکہ ہے یہ سبیلی خارا سے لالہ رنگ  
 کی اُس نے گرم سینہ اہل ہوس میں جا  
 کیا خوب تم نے غیر کو بوسہ نہیں دیا  
 بیٹھا ہے جو کہ سایہ دیوار یار میں  
 ہستی کا اعتبار بھی غم نے مٹا دیا  
 ہے بارے اعتنا و وفاداری اس قدر  
 درد سے میرے ہے تجھ کو بیقراری مائے مائے

وہ جو رکھتے تھے ہم اک حسرتِ تعمیر ہو ہے  
 فلک کا دیکھنا تقریب تیرے یاد آنے کی  
 قسم کھانی ہے اُس کا فرنے کا تھکے جدانے کی  
 بولے مشکل ہے حکمتِ ثل میں سو غم چھپانے کی  
 آٹھے تھے سیرِ گل کو دیکھنا شوخی ہبانے کی  
 ترا آنا تھا ظالم مگر تمہید جانے کی  
 مری طاقت کو ضامن تھی توجہ کی ناز اٹھانے کی  
 بدی کی اُس نے جس سے ہم نے کی تھی بارہا نیکی  
 دل جوش گریہ میں ہے ڈوبی ہوئی اسامی  
 میں بھی جملے مونوں میں ہوں داغِ ناتمامی  
 جس میں کہ ایک ضیہ مور آسمان ہے  
 پر تو سے آفتاب کے درمیں جان ہے  
 غافل کو میرے شیشہ پے سے کا گمان ہے  
 آوے نہ کیوں پسند کہ ٹھنڈا مکان ہے  
 پس چپ رہو ہمارے بھی منہ میں زبان ہے  
 فرمانروائے کشورِ ہندوستان ہے  
 کس سے کہوں کہ داغِ جگر کا نشان ہے  
 غالب ہم اس میں خوش ہیں نامہ زبان ہے  
 کیا ہوئی ظالم تری غفلت شعاری مائے مائے



ہاں میری زندگی ہم آہن کا نام  
جس کو توجہ کے کردار ہے سلام



تیرے دل میں گزند تھا آشوبِ عیش کا دھول  
 کیوں مری غمخوارگی کا تجھ کو آیا تھا خیال  
 عمر بھر کا تو نے پیمانِ وفا پاندھا تو کیا  
 زہرِ لگتی ہے مجھے آب و ہوا ہے زندگی  
 محلِ فشانِ مائے نازِ جسد کو کیا ہو گیا  
 شرمِ رسوائی سے جا چھپنا نقابِ خاک میں  
 خاک میں ناہوسِ پیمانِ محبت مل گئے  
 ماتہ ہی تیجِ آزما کا کام سے جاتا رہا  
 کس طرح کاٹے کوئی شبِ اے تارِ برنگال  
 گوشِ مہو پر پیامِ و چشمِ محسوسِ جہاں  
 عشق نے پکڑا نہ تھا غالبِ ابھی دشتِ کازگ  
 گشتگی میں عالمِ ہستی سے یاسین ہے  
 لیتا نہیں مرے دل آوارہ کی خبر  
 کچھ بیاں سرورِ تپِ غم کہاں تک  
 ہے وہ غرورِ حسن سے بیگانہ وفا  
 پی جس قدر لٹے شبِ موتاب میں شراب  
 ہر اک مکان کو بے نیکیں سے شرفِ اسد  
 گر خاشی سے فائدہ انتہا ہے حال ہے  
 کس کو سناؤں حسرتِ اظہار کا گلہ

تو نے پھر کیوں کی تھی میری نگہاری ٹٹے ہائے  
 دشمنی اپنی تھی میری دوستداری ٹٹے ہائے  
 عمر کو بھی تو نہیں سبے پانداری ٹٹے ہائے  
 یعنی تجھ سے تھی اُسے ناسازگاری ٹٹے ہائے  
 خاک پر سوتی ہے تیری لالہ کاری ٹٹے ہائے  
 ختم ہے الفت کی تجھ پر پردہ داری ٹٹے ہائے  
 اٹھ گئی دنیا سے راہِ ویرم یاری ٹٹے ہائے  
 دل پہ اک لگنے نہ پایا زخمِ کاری ٹٹے ہائے  
 ہے نظرِ خو کر وہ خستہ شمار می ٹٹے ہائے  
 ایک دل تس پر یہ نا امیدواری ٹٹے ہائے  
 رہ گیا تھا دل میں جو کچھ دوقِ خواری ٹٹے ہائے  
 تسلیں کو دے نوید کہ مرنے کی آس ہے  
 اب تک وہ جانتا ہے کہ کیسے ہی پاس ہے  
 ہر نومے بدن پہ زبانِ سپاس ہے  
 ہر چند اُس کے پاس دلِ حق شناس ہے  
 اس مٹنی مزاج کو گرمی ہی راس ہے  
 مجنوں جو مر گیا ہے تو جنگلِ اداس ہے  
 خوش ہوں کہ میری بات سمجھنی محال ہے  
 دلِ فردِ جمع و منہجِ زبانِ ٹٹے لال ہے



کس بچے میں ہے آئینہ پردازائے خدا  
 ہے ہے خدا تنہا سستہ وہ اور دشمنی  
 مشکیں بباں کعبہ علی کے قدم سے جان  
 وحشت پہ میری عرصہ آفاق تنگ تھا  
 بستی کے مت فریب میں آجائو ہمد  
 تم اپنے شکوے کی باتیں بکھو دکھو کے پوچھو  
 دلا یہ درد و الم بھی تو مفت نہ ہے کہ خسرو  
 ایک جا حریف وفا لکھا تھا سو بھی مٹ گیا  
 جی جلتے ذوق فنا کی ناتامی پر نہ کیوں  
 آگ سے پانی میں بجھتے وقت اٹھتی ہے صدا  
 ہے وہی بدستی ہر ذرہ کا خود بندر خواہ  
 مجھ سے مت کہ تو ہیں کتنا تھا اپنی زندگی  
 آنکھ کی تصویر سنا مے پکھینچی ہے کہ تما  
 پیس میں گزرتے میں جو کو پے سے وہ میسے  
 مری بستی قضا نے حیرت آباد متا ہے  
 خزاں کیا فصل گل کہتے ہیں کس کو کوئی موسم بہ  
 وفائے دلبراں ہے اتفاقی دروازے ہمد  
 نالائے شوخی اندیشہ تا سب بچ نو مبدی  
 رحم کر ظالم کہ کیا بود چسبہ رخ کشیدہ

رحمت کہ بندر خواہ لب بے سوال ہے  
 اسے شوق منقل یہ تجھے کیا خیال ہے  
 ناب زمین ہے نہ کہ ناصب غزال ہے  
 دریا زمین کو عسرتی انفصال ہے  
 عالم تمام حلقہ دوام خیال ہے  
 حد کر دے دل سے کراں میں آگ دلی ہے  
 نہ گریہ سیری ہے نہ آد نیم سببی ہے  
 ظاہر کا خد ترے خط کا غلط بردار ہے  
 ہم نہیں جلتے نفس ہر چہ آتش بار ہے  
 ہر کوئی در ماندگی میں نالہ سے ناچار ہے  
 جس کے جلوے سے زمین آسماں ہزار ہے  
 زندگی سے بھی مرا جی این دنوں بیزار ہے  
 تجھ پہ کھل جاوے کہ اس کو حسرت ویدار ہے  
 کندھا بھی کہا روں کو بدلنے نہیں دیتے  
 جسے کہتے ہیں نالہ وہ اسی عالم کا غنا ہے  
 وہی ہم ہیں قفس ہے اور ماتم بال و پر کا ہے  
 اثر فریاد و لہا ہے حزم کا کس نے دیکھا ہے  
 کھنڈ افسوس ملنا عید تجھ سے بدلتا ہے  
 نبض بیمار و فاو و چسبہ رخ کشیدہ ہے

دل لگی کی آرزو پیچیں کجی سب ہمیں  
 چشمِ خواباں خامشی میں بھی تو پرواز ہے  
 سینکڑے عشاق سائرِ طالعِ ناساز ہے  
 دستِ گاوِ دیدہ خونبارِ مجنوں دیکھنا  
 عشقِ مجذوب کو نہیں حشت ہی سی  
 قطع کیجے نہ تعلق ہم سے  
 میرے ہونے میں ہے کیا رسوائی  
 ہم بھی دشمن تو نہیں ہیں اپنے  
 اپنی ہستی ہی سے ہو جو کچھ ہو  
 عمر ہر چند کہ ہے برقِ خرام  
 ہم کوئی ترک و فاکرتے ہیں  
 کچھ تو دے اے نلکا انصاف  
 ہم بھی تسلیم کی خوں ڈالیں گے  
 یار سے پھیر چلی جانے اس  
 ہے آرمیدگی میں نکو ہوش بجا مجھے  
 ڈھونڈھے ہے اس منہنی آتشِ نفس کو جی  
 مستانِ طے کروں ہوں رو وادیِ خیال  
 کرتا ہے بسکہ باغ میں تو بے حجابیاں  
 کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ

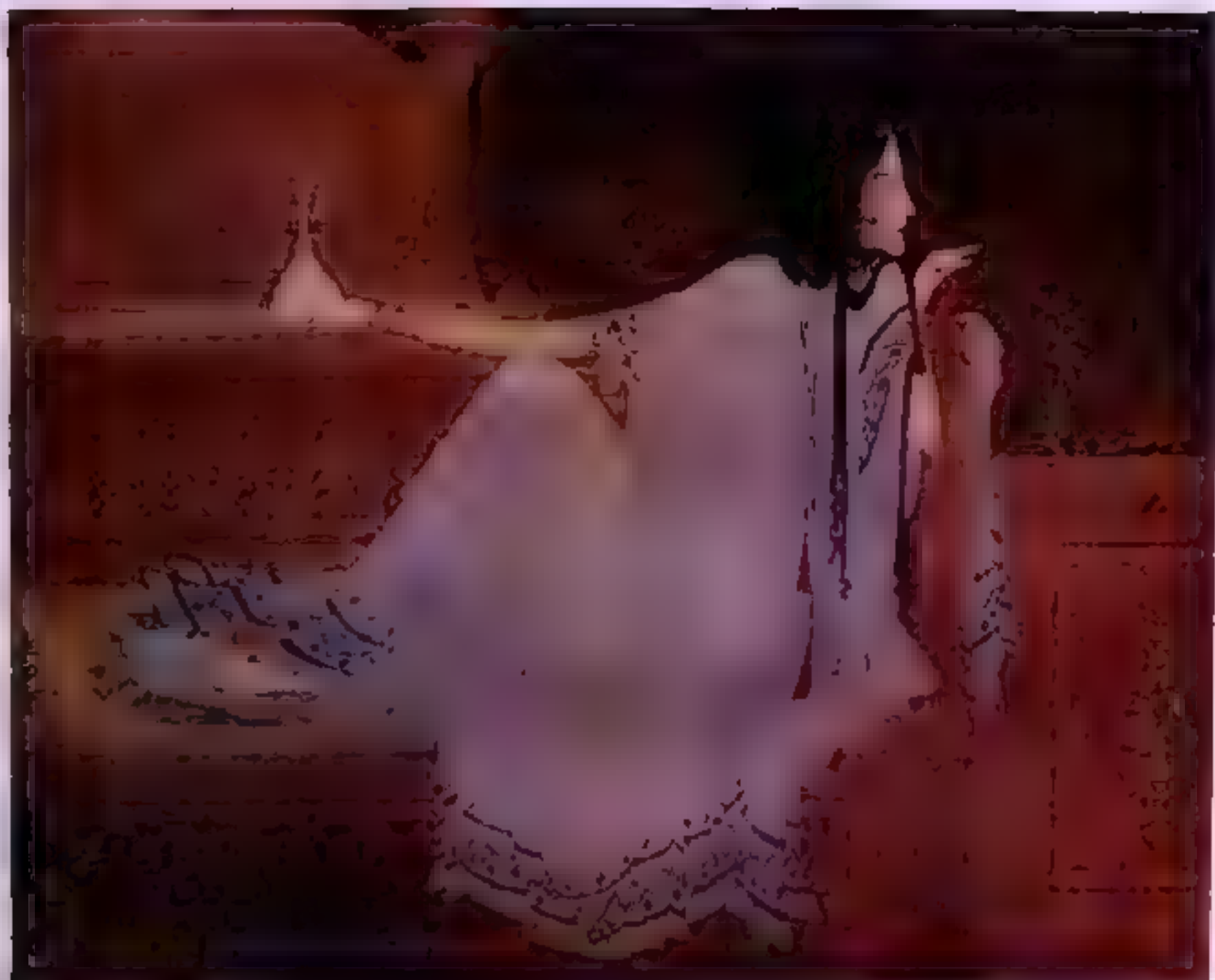
درندہ پاں بے رشتی جو چسپاں گشت  
 شرم نہ تو کانوسے کہ دو شمسِ آواز ہے  
 نادر گویا گر دشمنِ سیارہ کی آواز ہے  
 یک بیابانِ بساؤ ڈگلِ فرشتِ پائندہ ہے  
 سیریِ وحشت تیری شہرت ہی سی  
 کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سی  
 اے وہ مجلس نہیں عداوت ہی سی  
 غیر کو تجھ سے محبت ہی سی  
 آگہی گز نہیں غفلت ہی سی  
 دل کے خوں کرنے کی فرصت ہی سی  
 نہ سی عشق سے عیبت ہی سی  
 آدھ فریاد کی رخصت ہی سی  
 بے نیازی تری عادت ہی سی  
 گر نہیں وصل تو حسرت ہی سی  
 صبحِ وطن ہے خندہ دندانِ نا مجھے  
 جس کی صدا جو بسلو برقِ فنا مجھے  
 تما باز گشت سے نہ رہے مدعا مجھے  
 آنے لگی ہے ہمتِ گل سے بیا مجھے  
 شعروں کے انتخاب نے رُسا کیا مجھے

زندگی اپنی جیساں شکل سے گزری غالب  
 اُس بزم میں مجھے نہیں بنتی جیا کیے  
 دس ہی تو ہے سیاست درباں سے ڈریا  
 رکھتا پھرون میں خرقد و سجادہ رہن سے  
 بے صرفہ ہی گزرتی ہے ہو گرچہ عمر خضر  
 مقدور ہو تو خاک سے پوچھیں کہ انیم  
 کس روز تہمتیں نہ ترا شا کیے عدو  
 صحبت میں غیر کی نہ پڑی ہو کہیں یہ خو  
 ضد کی ہے اور بات مگر خو بُری نہیں  
 غالب تمہیں کہو کہ ملے گا جواب کیا  
 زخمِ سرِ قطعِ رو اضطراب ہے  
 سینا سے ہے سر و نشاط بہار سے  
 زخمی ہوا ہے پاشنہ پائے ثبات کا  
 جاداد بادہ نوشی زنداں ہے شش جت  
 نظارہ کیا حریت ہو اُس برقی حسن کا  
 میں نامراد دل کی تسلی کو کیا کروں  
 گزرا اُس دستِ معیتِ پیغامِ یار سے  
 دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پر شک آجائے ہے  
 ماتم و حودل سے یہی گرمی گرا ندیشے میں ہے

ہم جی کیا یاد کرینگے کہ خدا رکھتے تھے  
 بیٹھا رہا اگرچہ اشارے ہوا کیے  
 میں اور جہاؤں در سے ترے بن عدا کیے  
 مدت ہوئی ہے دعوتِ آبِ ہوا کیے  
 حضرت بھی کل کہیں گے کہ ہم کیا کیا کیے  
 تو نے وہ گنج ہائے گرا نمایہ کیا کیے  
 کس دن ہمارے سر پہ نہ آئے چلا کیے  
 دینے لگا ہے بوسہ بغیر التجا کیے  
 بھولے سے اُس نئے سیکڑوں و عیسے وفا کیے  
 مانا کہ تم کہا کیے۔ وروہ سنا کیے  
 اس سال کے حساب کو برقی آفتاب ہے  
 بالِ تدر و حسلوہ موجِ شراب ہے  
 نئے بھاگنے کی گوں نہ افاست کی تاب ہے  
 غافل گماں کرے ہے کہ گیسٹی خراب ہے  
 جوش بہار جلوے کو جس کے تقاب ہے  
 مانا کہ تیرے رح سے نگر کامیاب ہے  
 قاصدِ چھب کو رشکِ سوال و جواب ہے  
 میں اُسے دیکھوں بجلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے  
 آگینہ تندی سب سے پگھلا جائے ہے



منیں انجمنِ اردو سے باہر نہ  
اگر شراب تیں انتظارِ مسافر نہ



غیر کو یارب وہ کیونکر منع گستاخی کرے  
 شوق کو یہ بت کہ ہوسم نالہ کھینچے جائے  
 دُور چشم بدتر ہی بزمِ طرب سے واہ واہ  
 گرچہ ہے طرزِ تغافل پر وہ دایرِ رازِ عشق  
 اُس کی بزمِ آرائیاں سن کر دلِ بخوریاں  
 ہو کے عاشق وہ پری رخ اور نازک بن گیا  
 نقش کو اُس کے مصوّر پر بھی کیا کیا ناز میں  
 سایہ میرا مجھ سے مثلِ دُود بھاگے ہے ہر  
 گرم فریاد رکھا شکلِ نہالی نے مجھے  
 نیسہ و نقدِ دو عالم کی حقیقت معلوم  
 کثرتِ آرائی و صفت ہے پرستاری ہم  
 ہوسِ گل کا تصور میں بھی کھٹکانہ رہا  
 کارِ گاہِ ہستی میں لالہ داغِ سماں ہے  
 غنچہ تا شگفتن ما برگِ عافیت معلوم  
 ہم سے رنجِ بیتابی کس طرح اٹھایا جائے  
 اگ رہا ہے درو دیوار سے ہنرِ غالب  
 سادگی پر اُس کی مرجانے کی حسرتِ دل میں ہے  
 دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُس نے کہا  
 گرچہ ہے کس کس بُرائی سے ولے با این ہم

گر حیا بھی اُس کو آتی ہے تو شرما جائے ہے  
 دل کی وہ حالت کہ دم لینے سے گھبرا جائے ہے  
 نغمہ ہو جاتا ہے واں گر نالہ میرا جائے ہے  
 پر ہم ایسے کھونے جاتے ہیں کہ وہ پا جائے ہے  
 مثلِ نقشِ مدعا سے غیسر بیٹھا جائے ہے  
 رنگ کھلتا جائے ہے جتنا کہ اڑتا جائے ہے  
 کھینچتا ہے جس قدر اتنا ہی کھینچتا جائے ہے  
 پاس مجھ آتشِ بیاں کے کس سے ٹھہرا جائے ہے  
 تب اماں تھر میں می برولی لی نے مجھے  
 لے لیا مجھ سے مری ہمتِ عالی نے مجھے  
 کر دیا کافرنِ اسنامِ نیالی نے مجھے  
 عجب آرام دیا ہے پروہالی نے مجھے  
 بزرگِ خرمینِ راحت خونِ گرم دہقاں ہے  
 باوجودِ دیکھی خوابِ گل پریشاں ہے  
 داغِ پشتِ دستِ عجزِ شعلہ خنہاں ہے  
 ہم بیا باں میں ہیں اور گھر میں بہا آئی ہے  
 بس نہیں چلتا کہ پھر خبر کھٹِ قابل میں ہے  
 میں نے یہ جانا کہ گویا یہی میرے دل میں ہے  
 ذکرِ میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اُس محفل میں ہے



بس مجھ کو ناسیسی خاک میں مل جائیگی  
 رنج رہ کیوں کھینچنے واما ندگی کو عشق ہے  
 جاوہ زارِ آتش و دوزخ ہمارا دل سہی  
 ہے دل شوریدہ غالب ظہیم چچ و تاب  
 دل سے تری نگاہ جگر تک اتر گئی  
 شوق ہو گیا ہے سینہ خوشا لذت فراغ  
 وہ بادہ شبانہ کی سرستیاں کہاں  
 اڑتی پھرے ہے خاک مری کو سے یازیں  
 دیکھو تو دھنسی اندازِ نقش و نشان  
 ہر بولہوس نے حسن پرستی شمار کی  
 نظائے نے بھی کام کیا واثق تاب کا  
 فرود دی کا قفسہ کیا بست گیا  
 مارا زمانہ نے اسداں خان تھیں  
 تسکین کو ہم نے روئیں جو ذوق نظر سے  
 اپنی نگاہ میں مجھ کو نہ کر دفن بعد قتل  
 ساق گری کی شرم کر و آج در نہ ہم  
 تجھ سے تو کچھ کلام نہیں لیکن اے ندیم  
 ترکو بھی ہم دکھائیں کہ جنوں نے کیا کیا  
 لازم نہیں کہ خضر کی ہم پیروی کریں

یہ جو اک لذت ہماری سہی بے مثال میں ہے  
 اٹھ نہیں سکتا ہمارا چو قدم منزل میں ہے  
 فتنہ شور قیامت کس کی آب و گل میں ہے  
 رحم کر اپنی متنا پر کہ کس شکل میں ہے  
 دو نو کو اک ادا میں رضا مند گر گئی  
 تکلیف پر وہ داری جسم جگر گئی  
 اٹھے بس اب کہ لذت خواب سحر گئی  
 بے تاب لے ہوا ہوس بال و برگ گئی  
 موج منہ رام یار بھی کیا گل کتر گئی  
 اب آبرو سے شیوہ اہل نظر گئی  
 مستی سے ہر نگہ تھے رخ پر بکھر گئی  
 کل تم گئے کہ ہم یہ قیامت گزر گئی  
 وہ دوسلے کہاں وہ جوانی کدھر گئی  
 حور بن خلد میں تری صورت گرے  
 میسے پتہ سے خلق کو کیوں تیرا گھرے  
 ہر شب پیاہی کرتے ہیں نے جہنم رے  
 میرا سلام کہو اگر نامہ برے  
 فرصت کشاکش غم پناہ سے گرے  
 مانا کہ اک بزرگ ہیں ہم سفرے

اے ساکن کو چپ دلہا دیکھنا  
 کوئی دن گر زندگانی اور ہے  
 آتشِ دوزخ میں یہ گر بجی کساں  
 بار بار دیکھی ہیں اُن کی بخششیں  
 دے کے خطا مند دیکھتا ہے نار بر  
 قاطعِ اعسار میں اک شرِ نجوم  
 ہو چکیں غالب بلا میں سب تمام  
 کوئی اُمید نہیں آتی  
 موت کا ایک دن معین ہے  
 آگے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی  
 جانتا ہوں ثوابِ طاعتِ تہ  
 ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہوں  
 کیوں نہ چیخوں کر یار کرتے ہیں  
 داغِ دل گر نظر نہیں آتا  
 ہم دہاں میں جاں سے ہم کو بھی  
 مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی  
 کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب  
 دلِ نواں تجھے ہوا کیا ہے  
 ہم ہیں مشتاق اور وہ میزار

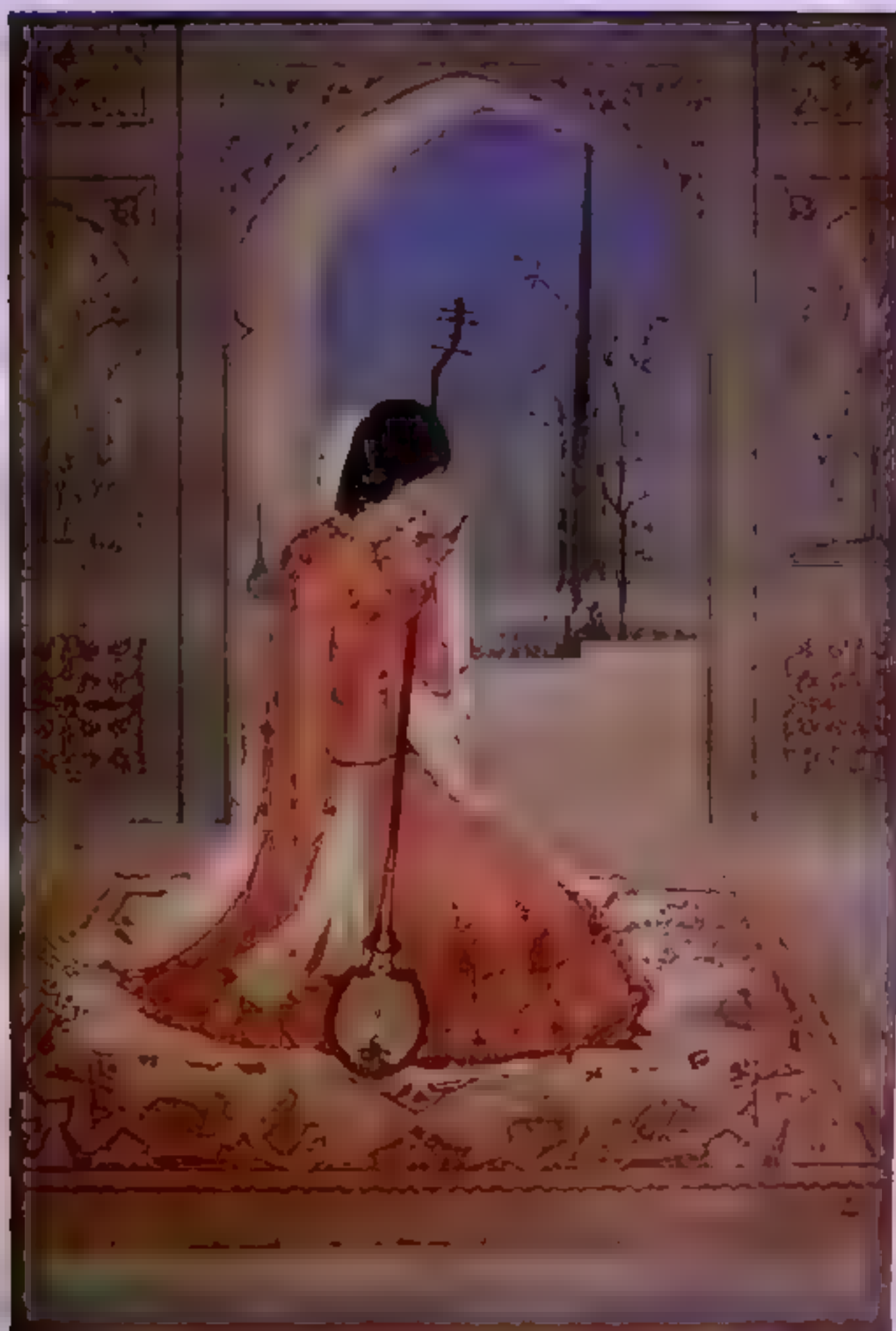
تم کو کہیں جو غالب آشفۃ مرے  
 اپنے جی میں ہم نے نہالی اور ہے  
 سوزِ غم ہائے نہانی اور ہے  
 پر کچھ اب کے سرگرائی اور ہے  
 کچھ تو پسینا م زبانی اور ہے  
 وہ بلائے آسمانی اور ہے  
 ایک مرگ ناگمانی اور ہے  
 کوئی صورت نظر نہیں آتی  
 نیند کیوں رات بھر نہیں آتی  
 اب کسی بات پر نہیں آتی  
 طبیعتِ اچھوٹ نہیں آتی  
 دیکھ کیا بات کر نہیں آتی  
 میسری آواز گر نہیں آتی  
 بڑ بھی لے چارہ گر نہیں آتی  
 کچھ ہماری خبر نہیں آتی  
 موت آتی ہے پر نہیں آتی  
 شرمِ مست کو مگر نہیں آتی  
 آخر اس درد کی دوا کیا ہے  
 یا الہی یہ ماجرا کیا ہے

میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں  
 جبکہ تجھ بن نہیں کوئی موجود  
 یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں  
 شکن زلف عنبریں کیوں ہے  
 بنوہ و گل کہاں سے آئے ہیں  
 ہم کو ان سے وفا کی بے امید  
 ہاں بھلا کر ترا بھلا ہوگا  
 جان تم پر شکار کرتا ہوں  
 میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالب  
 کہتے تو ہو تم سب کہ بت غالیہ ہو آئے  
 ہوں کشمکش نزع میں ہاں جذب محبت  
 بے صاعقہ و شعلہ و سیلاب کا عالم  
 ظاہر ہے کہ گھبرا کے نہ بھاگیں گے گیرین  
 جلاوے سے ڈرتے ہیں نہ واعظ سے جھگڑتے  
 ہاں اہل طلب کون سے طلعتہ یافت  
 اپنا نہیں وہ شیوہ کہ آرام سے بیٹھیں  
 کی ہم نفسوں نے اثر گریہ میں تھری  
 اُس سخن ناز کی کیا بات ہے غالب  
 پھر کچھ اک دل کو بے قرار سی ہے

کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے  
 پھر یہ ہنگامہ اسے خدا کیا ہے  
 عنبرہ و عشوہ و ادا کیا ہے  
 بگچہ چشم شرمہ سا کیا ہے  
 ابر کیا چیسز ہے ہوا کیا ہے  
 جو نہیں جانتے وفا کیا ہے  
 اور درویش کی صدا کیا ہے  
 میں نہیں جانتا دعا کیا ہے  
 مفت ماتہ آئے تو برا کیا ہے  
 یک مرتبہ گھبرا کے کہو کوئی کہو آئے  
 کچھ کہ نہ سکوں پر وہ مرے پوچھنے کو آئے  
 آنا ہی سمجھ میں مری آنا نہیں گو آئے  
 ہاں منہ سے مگر بادوہ و دوشینہ کی ہو آئے  
 ہم سمجھے ہوئے ہیں اُسے جن بھیس میں جو آئے  
 دیکھا کہ وہ ملتا نہیں اپنے ہی کو کھو آئے  
 اُس درپہ نہیں بار تو کہے ہی کو ہو آئے  
 اچھے رہے آپاں سے مگر مجھ کو ڈبو آئے  
 ہم بھی گئے واں اور تری تقدیر کو رو آئے  
 سینہ جو یا اے زخم کاری ہے



ماقی بحب لوہ دشمن ایساں وائی  
مڑب تفرہ ریزن تکیں و پویش ہے



پھر جگر کھودنے لگا ناخن  
 قیل و مقصد بنگاہ نیاز  
 چشم دلال حبس رسوائی  
 وہی صدر رنگ نالہ فرسائی  
 دل ہو بے خرام ناز سے پھر  
 جلوہ پھر عرض ناز کرتا ہے  
 پھر اسی بے وفا پر مرتے ہیں  
 پھر کھلا ہے درِ عدالت ناز  
 ہو رہا ہے جہان میں اندھیر  
 پھر دیا پارا جگر نے سوال  
 پھر ہوئے ہیں گواہ عشق طلب  
 دل و مہنگاں کا جو مقدمہ تھا  
 یہ خودی بے سبب نہیں غالب  
 جنوں تہمت کش تسکین نہ ہو گشت ارمانی کی  
 کشاکش ہائے ہستی سے کرے کیا سعی زادی  
 پس از مردن بھی دیوانہ زیارت گاہِ طفلان ہے  
 نیکو ہوش ہے سزا فریادی بیدار و لبر کی  
 رگِ لیلیٰ کو خاکِ دشتِ مجنوں رنگی بخشے  
 پر پروانہ شاید بادبانِ کشتی سے تھا

آہِ فصلِ لالہ کاری ہے  
 پھر وہی پردہ عساری ہے  
 دل حسریہ دارِ ذوقِ خواری ہے  
 وہی حسد گوشتِ اشکباری ہے  
 محشرستانِ بیقراری ہے  
 روزِ بازارِ جاں سپاری ہے  
 پھر وہی زندگی عساری ہے  
 گرم بازارِ فوجداری ہے  
 زلفت کی پھر سرشتِ داری ہے  
 ایک منہ دواہ و زاری ہے  
 اشکباری کا حکم جاری ہے  
 آج پھر اس کی روکاری ہے  
 کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے  
 نمک پاشِ خراشِ دل ہے لذتِ زندگانی کی  
 ہوئی زنجیرِ موجِ آب کو فرصتِ روانی کی  
 شرارِ رنگ نے تربتِ پیری گلِ نشانی کی  
 مبادا خندِ دندانِ ناہوسجِ محشر کی  
 اگر پودے بجائے دانہ رہتھاں نوکِ نشتر کی  
 ہوئی مجلس کی گرمی سے روانی دورِ باغ کی



کروں بیدار ذوقِ پرفانی عرض کیا قدرت  
 کہاں تک روٹوں کے خیمے کے پیچھے قیامت ہے  
 بے اعتدالیوں سے سبک سب میں ہم ہوئے  
 پہناں تھا دامِ سخت قریبِ مشیاں کے  
 ہستی ہماری اپنی فنا پر دلیل ہے  
 سخت کشانِ عشق کی پوچھے ہے کیا خبر  
 تیری وفا سے کیا ہو تلافی کہ دہریہ  
 نکاتے رہے جنوں کی حکایاتِ خوں چکاپ  
 اللہ ری تیری شندیٰ خو جسکے ہم سے  
 اہل ہوس کی فتح ہے ترکِ نبردِ عشق  
 نالے عدم میں چند ہمارے سپرد تھے  
 چھوڑی ہمدرد ہم نے گدالی میں دل لگی  
 جو نہ نقہِ داغِ دل کی کرے شعلہ پاسبانی  
 بجھے اُس سے کیا توقع بزمِ جوانی  
 یونیس وکھ کسی کو دینا نہیں خوب در نہ کتا  
 ظلمت کدے میں میرے شبِ غم کا جوش ہے  
 نئے مژدہ وصال نہ نظارہ جمال  
 مئے قے کیا ہے حسنِ خود آرا کو بے حجاب  
 گوہر کو عیشِ گردنِ خواہاں میں لکینا

کہ طاقت اُڑ گئی اُڑنے سے پہلے میرے شہر کی  
 مری قسمت میں یارب کیا نہ تھی دیوارِ پتھر کی  
 جتنے زیادہ ہو گئے اتنے ہی کم ہوئے  
 اُڑنے نہ پانے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے  
 یاں تک مٹے کہ پ ہم اپنی قسم ہوئے  
 وہ لوگ رفتہ رفتہ سراپا الم ہوئے  
 تیرے ہوا بھی ہم پہ بہت سے ستم ہوئے  
 ہر چند اس میں ماتہ ہمارے قلم ہوئے  
 اجزائے نالادل میں مے رزق ہم ہوئے  
 جو پاؤں اٹھ گئے وہی اُن کے غم ہوئے  
 جو داشِ کھنچ سکے سو وہیاں آکے دم ہوئے  
 سائل ہوئے تو عاشقِ اہلِ کرم ہوئے  
 تو فسادِ گلی نہاں ہے بہ کین بے زبانی  
 کبھی کودکی میں جس نے نہ سنی مری کہانی  
 کہ مرے مدد کو یارب ملے میری زندگانی  
 اک شمع ہے دلیلِ محسوسِ غموش ہے  
 نڈت ہوئی کہ آسشتی چشمِ دگوش ہے  
 اے شوق یاں اجازتِ تسلیم ہوش ہے  
 کیا ادب پرستارہ گوہرِ فروش ہے

دیدار بادہ۔ جوسل ساقی ہنگامست  
 لے تازہ وار دین بساط ہوا ہے دل  
 دیکھو مجھے جو دیدہ عبرت نگاہ ہو  
 ساقی جب لود دشمن ایمان آگہی  
 یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشہ بساط  
 لطف خرام ساقی و ذوق صدا ہے چنگ  
 یا صبح دم جو دیکھیے آکر تو بزم میں  
 داغ فسراق صحبت شب کی جلی ہوئی  
 آتے ہیں غیب سے یہ مضامین خیال میں  
 نہ ہوئی گرمے مرنے سے تسلی نہ سہی  
 غار خاں الم حسرت دیدار تو ہے  
 مے پرستان خم نے منہ سے لگائے ہی بنے  
 نفیس قیس کہ ہے چشم و چراغ صبرا  
 ایک ہنگامے پر موقوف ہے گھر کی رونق  
 نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پردا  
 عشرت صحبت خوباں ہی غنیمت سمجھو  
 عجب نشاط سے بلاد کے چلے ہیں ہم آگے  
 قصانے تھامے چاہا خراب بادہ الفت  
 غم زمانہ نے جھاڑی نشاط عشق کی مستی

بزم خیال میں کہہ بے خروش ہے  
 زہنہا اگر تمہیں ہوں تاسے و نوش ہے  
 میری سنو جو گوش نصیحت نیرش ہے  
 سطر بنیم ریزن تکین و ہوش ہے  
 دامان باغبان و کعبہ گل فروش ہے  
 یہ جنت نگاہ وہ فردوس گوش ہے  
 نے دہ سرور و نور نہ جوش و خروش ہے  
 اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خوش ہے  
 غالب صریحاً نہ نواسے سروش ہے  
 امتحان اور بھی باقی ہو تو یہ بھی نہ سہی  
 شوق گلچین گلستان تسلی نہ سہی  
 ایک دن گرنے ہوا بزم میں ساقی نہ سہی  
 گر نہیں شمع سیہ خانہ لیلی نہ سہی  
 نوئے غم ہی سہی شادمانہ نہ سہی  
 گر نہیں ہیں مے اشعار میں معنی نہ سہی  
 نہ ہوئی غالب اگر عمر طبعی نہ سہی  
 کہ اپنے سائے سے سراپاؤں سے ہے دو قدم آگے  
 فقط خراب کھاباں نہ چل سکا قلم آگے  
 و گر نہ ہم بھی اٹھاتے تھے لذت الم آگے

خدا کے واسطے داد این خون شوق کی دینا  
 یہ عمر بھر جو پریشانیں ٹھائی ہیں ہم نے  
 دل و جگر میں پر افشاں جو ایک موجدِ نوح ہے  
 قسم خوارے پہ آنے کی جیسے کھاتے ہیں غالب  
 شکوے کے نام سے بے مہر تھا ہوتا ہے  
 پرزبوں میں شکوے سے یوں راگ سے جیسے باجا  
 گو سمجھتا نہیں پر حسنِ مٹافی دیکھو  
 عشق کی راہ میں ہے چرخِ کوکب کی چال  
 کیوں نہ ٹھہریں ہر دمِ نادک پیدا کر ہم  
 فوب تھا پہلے سے ہوتے جو ہم اپنے بدخواہ  
 نالہ جاتا تھا پرے عرش سے میرا اور اب  
 غامہ میسر کہ وہ ہے بارِ ہر بزمِ سخن  
 اے شہنشاہِ کوکب سپہ و ہر علم  
 سات اقلیم کا حاصل جو سر ہم کیجے  
 ہر مہینے میں جو یہ بدر سے ہوتا ہے ہلال  
 میں جو گستاخ ہوں آئینِ غزلِ خوانی میں  
 رکھو غالب مجھے اس تلخِ نوالی میں معاف  
 ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے  
 نہ شعلے میں یہ کرشمہ نہ برق میں یہ ادا

کہ اُس کے در پہ پہنچتے ہیں نارِ بر سے ہم آگے  
 تھامے آئو لے طرہ ہائے خم پہ ہم آگے  
 ہم اپنے زعم میں سمجھے ہوئے تھے اس کو دم آگے  
 ہوش کھاتے تھے جو میری جان کی قسم آگے  
 یہ بھی مت کہہ جو کیسے تو گلا ہوتا ہے  
 اک ذرا چھیرنے پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے  
 شکوہ جو رے سرگرم جفا ہوتا ہے  
 سست رو جیسے کوئی ابلہ ہوتا ہے  
 آپ اٹھلاتے ہیں گر تیر خطا ہوتا ہے  
 کہ بھلا چاہتے ہیں اور بُرا ہوتا ہے  
 لب تک آتا ہے جو ایسا ہی رسا ہوتا ہے  
 شاد کی مدح میں یوں نعرہ سزا ہوتا ہے  
 تیرے اکرام کا حق کس سے ادا ہوتا ہے  
 تو وہ لشکر کا ترے نعلِ بیا ہوتا ہے  
 آستانِ پرترے میں نامیسا ہوتا ہے  
 یہ بھی تیرا ہی کرمِ ذوقِ فسق ہوتا ہے  
 آج کچھ در و درے دل میں سوا ہوتا ہے  
 تمہیں کہو کہ یہ اندازِ گفتگو کیا ہے  
 کوئی بتاؤ کہ وہ شوخِ تنہ خو گیا ہے





جب بہ تقریب غریب نے محل بندھا  
پیش ثقی نے ہر دے پاک ل باندا

یہ رشک ہے کہ وہ جوتا ہے ہم سخن تم سے  
 چپک رہا ہے بدن پر لہو سے پیرا ہن  
 جلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہوگا  
 رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قائل  
 وہ چیز جس کے لیے ہم کو موبہشت عزیز  
 پیوں شراب اگر خم بھی دیکھ لیں دوچار  
 رہی نہ طاقت گفتار اور اگر ہو بھی  
 ہوا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا  
 میں انھیں چھڑوں اور کچھ نہ کہیں  
 قسم ہو یا بلا ہو جو کچھ ہو  
 سیری قسمت میں عنسہم گراتا تھا  
 آبی جاتا وہ راہ پر غالب  
 آکر مری جان کو مسترار نہیں ہے  
 دیتے ہیں جنت حیات و ہر کے بدلے  
 گر یہ نکالے ہے تری بزم سے مجھ کو  
 ہم سے عث ہے گمان رخسار غاظر  
 دل سے اٹھا طعنے جلد ہاے معانی  
 قتل کا میرے کیا ہے عہد تو بارے  
 تو نے قسم کے کشی کی کھائی ہے غالب

وگرنہ خوف بد آموزی کا کیا ہے  
 ہمارے جیب کو اب مہبت رفو کیا ہے  
 کر دیتے ہو جو آب راگہ جستجو کیا ہے  
 جب آنکھ تیری سے نہ چکا تو پھر لہو کیا ہے  
 سوائے بادۂ غلام شکو کیا ہے  
 پیشہ وقح و کوزہ بسو کیا ہے  
 تو کس سیدہ پہ کیے کا آرزو کیا ہے  
 وگرنہ شہر میں غائب کی آبرو کیا ہے  
 چل نکلتے جو سے پیئے ہوتے  
 کاشکے تم مرے لینے ہوتے  
 دل بھی یارب کئی دیئے ہوتے  
 کوئی دن اور بھی سیئے ہوتے  
 طاقت سیدہ اور انتظار نہیں ہے  
 نشہ بہ اندازہ شمار نہیں ہے  
 ہاے کہ روئے پہ اختیار نہیں ہے  
 خاک میں عشاق کی غبار نہیں ہے  
 غیر گل آئینہ بہار نہیں ہے  
 دے اگر حمد استوار نہیں ہے  
 تیری قسم کا کچھ اعتبار نہیں ہے



ہجومِ غم سے یاں تک سرنگونی مجھ کو محال ہے  
 نوئے زخم سے مطلب ہے لذت زخمِ سوزن کی  
 وہ گل جس گلستاں میں جلوہ فرمائی کرے غالب  
 پایہ دامن جو رہا ہوں بسکہ میں سحرانورد  
 دیکھنا حالتِ مے دل کی ہم آغوشی کے وقت  
 ہوں سراپا سازِ آبنگِ شکایت کچھ نہ چھپ  
 جس بزم میں تو ناز سے گفتار میں آوے  
 سائے کی طرح ساتھ پھریں ستر و صبور  
 تب تا زگراں مانگی اشک بجائے  
 وے مجھ کو شکایت کی اجازت کہ شکر  
 اس چشمِ فسوں گر کا اگر پائے اشارہ  
 کانٹوں کی زباں ہو گئی پیاس کی بار  
 مر جانوں نہ کیوں شک سے جب دو تین نازک  
 غارتگر ناموسش ہو گر ہو سیں زر  
 تب چاک گریباں کا مزہ ہے دلِ نالاں  
 آتشکدہ ہے سینہ مرار از نہاں سے  
 گنجینہ معنی کا ظلم اس کو سمجھے  
 حُسنِ مرگر چہ بہ ہنگامِ کمال اچھا ہے  
 بوسہ دیتے نہیں اور دل چاہے ہر لحظہ نگاہ

کہ تارِ دامن و تارِ نظر میں فرقِ مشکل ہے  
 سبھی موت کو پاس درو سے دیوانہ غافل ہے  
 چکنا غنچہ دل کا صدا ہے خندہ دل ہے  
 خارِ پاہیں جو ہر آئینہ زانو مجھے  
 ہے نگاہِ آشنا تیرا سر ہر سوسن مجھے  
 ہے یہی بہتر کہ لوگوں میں چھپے تو سمجھے  
 جاں کا بند صورتِ دیوار میں آوے  
 تو اس قدِ دلکش سے جو گلزار میں آوے  
 جب نعتِ جگر دیدہ خونبار میں آوے  
 کچھ تجھ کو مزہ بھی مرے آزار میں آوے  
 طوطی کی طرح آئینہ گفتار میں آوے  
 اک آبلہ پا داوی پر حنا میں آوے  
 آغوشِ غم حلقہ زار میں آوے  
 کیوں شاہِ گل باغ سے بازار میں آوے  
 جب اک نفس ابھرا ہوا ہر تار میں آوے  
 لے دئے اگر معرِ ظہر میں آوے  
 جو لفظ کہ غالب مے اشار میں آوے  
 اُس سے سیرا بہ خورشیدِ جمال اچھا ہے  
 جی میں کہتے ہیں کہ مفت آئے تو مال اچھا ہے

اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا  
 بے طلب دیں تو مزد اُس میں سوا ملتا ہے  
 اُن کے دیکھے سے جو آجاتی ہے نہ پرزونی  
 دیکھئے پاتے میں عشاق تہوں سے کیا فیض  
 ہم سخن تیشے نے فرما د کو شیریں سے کیا  
 قطرہ دریا میں جو مل جائے تو دریا ہو جائے  
 خضر سلطان کو رکھے خالق اکبر سہرہ  
 ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن  
 غیر لیں محفل میں بوسے جام کے  
 خستگی کا تم سے کیا شکوہ کہ یہ  
 خطا لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو  
 رات پی زحرم پہ سے اور صبر دم  
 دل کو آنکھوں نے پھنسا یا کیا مگر  
 شاہ کے بے غسل صحت کی خبر  
 عشق نے غالب نکمٹا کر دیا  
 پھر اس انداز سے بہار آئی  
 دیکھو اسے ساکنانِ خطہ خاک  
 کہ زمیں ہو گئی ہے ستر ہر  
 سبزے کو جب کہیں جگہ نہ ملی

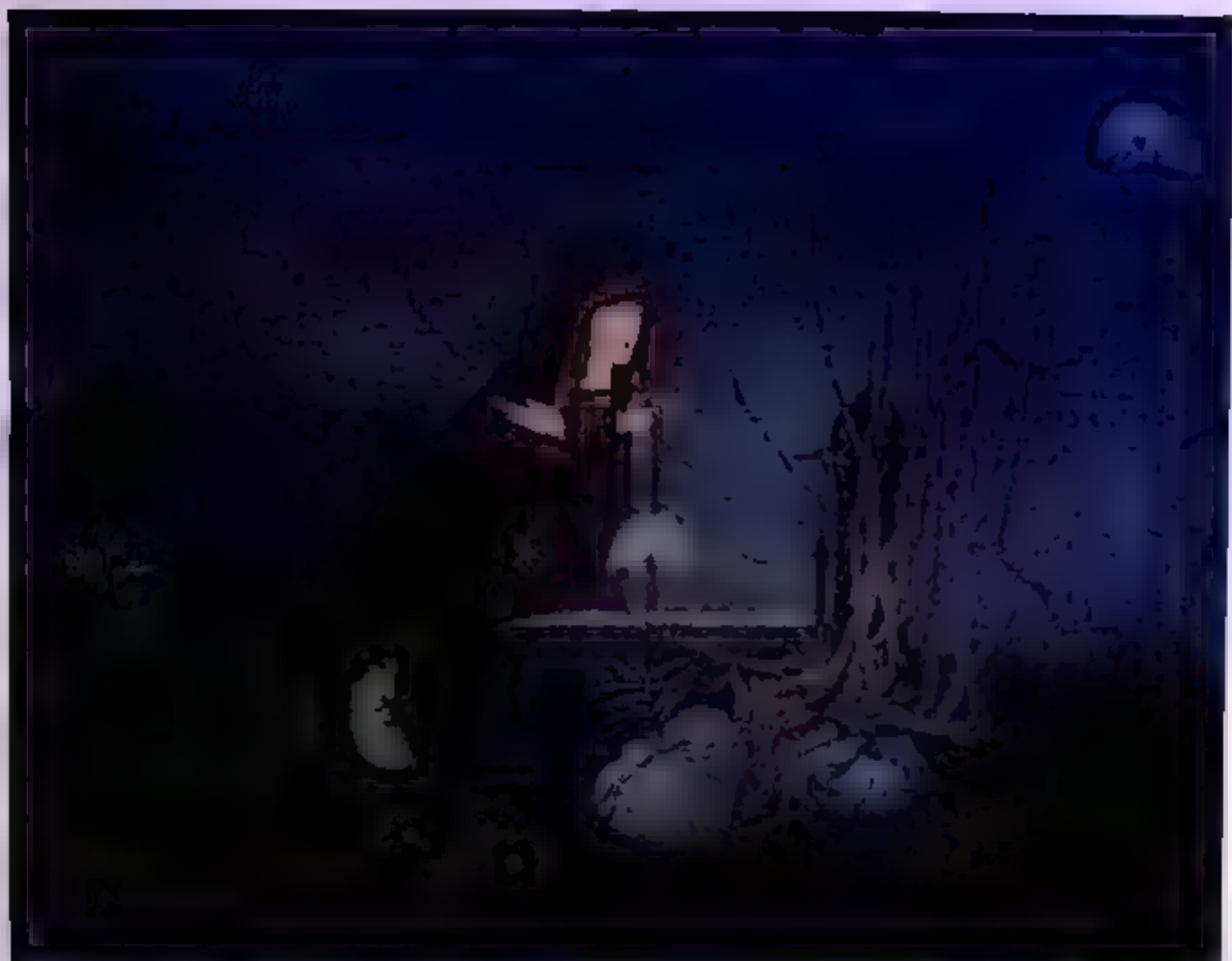
ساغر جسم سے مرا جام سفال چھا ہے  
 وہ گدا جس کو نہ ہو خوشے سوال چھا ہے  
 وہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں سا رکھا حال چھا ہے  
 اک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال چھا ہے  
 جس طرح کا کہ کسی میں ہو کمال چھا ہے  
 کام اچھا ہے وہ جس کا کہ مال چھا ہے  
 شاہ کے باغ میں یہ تازہ نہال چھا ہے  
 دل کے خوش رکھنے کو غالب خیال چھا ہے  
 ہم رہیں یوں تشذب پیغام کے  
 ہتھکنڈے ہیں سپرخیلی فام کے  
 ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے  
 دھوئے دہتے جامہ حرام کے  
 یہ بھی حلقے ہیں تمہارے دام کے  
 دیکھئے کب دن پھریں حمام کے  
 در نہ ہم بھی آدمی تھے کام کے  
 کہ ہوئے مہر و مہر تاشانی  
 اس کو کہتے ہیں عالم آرائی  
 روکشِ سطحِ سپرخیلی سنائی  
 بن گیا روئے آب پر کالی

سبزہ و گل کے دیکھنے کے لیے  
 ہے ہوا میں شراب کی تاثیر  
 کیوں نہ دنیا کو ہو خوشی غالب  
 تغافل دوست ہوں میرا دماغ عجز عالی ہے  
 رہا آباد عالم اہل بہت کے نہ ہونے سے  
 کب وہ مستنا ہے کہانی میری  
 غلش غم سبزہ خوں پر نہ پوچھ  
 کیا بیاں کر کے مرار ویشکے یار  
 ہوں نہ خود رفتہ بیدائے خیال  
 مستقابل ہے مستابل میرا  
 قدر سنگ سہرہ رکھتا ہوں  
 گرد و بار و سبے تابی ہوں  
 دہن اس کا جو نہ معلوم ہوا  
 کر دیا ضعف نے عاجز غالب  
 نقش ناز بہت طناز بہ آغوشِ قیب  
 تو وہ بد خو کہ تحیر کو تماشا جانے  
 وہ تپ عشق تمنا ہے کہ پھر صورتِ شمع  
 گلشن کو تری صحبت از بسک خوش آئی ہے  
 واں کنکراستغنا ہر دم ہے بندی پر

چشم ز گس کو دی ہے بینائی  
 بادہ نوشی ہے باد پیمائی  
 شاہ دیندار نے شفا پائی  
 اگر پہلو تھی کیجے تو جامیری بھی خالی ہے  
 بھرے ہیں جس قدر جام و سہو میخانہ خالی ہے  
 اور پھر وہ بھی زبانی میری  
 دیکھ خونستہ فشتانی میری  
 مگر آشفۃ بیانی میری  
 بھول جانا ہے نشانی میری  
 رک گیا دیکھ روانی میری  
 سخت از ناں ہے گرانی میری  
 صرصر شوق ہے بانی میری  
 کھل گئی پیچیدانی میری  
 نگہ پیری ہے جوانی میری  
 پائے طاؤس پئے خامہ مانی مانگے  
 غم وہ افسانہ کہ آشفۃ بیانی مانگے  
 شعلہ تانہ بنض جگر ریشہ دوانی مانگے  
 ہر غنچے کا گل ہونا آغوش کشائی ہے  
 یاں نالے کو اور الٹا دعوائے رسائی ہے



شروع محنتی ہے تو میرے اعمراں خستہ  
شعاع عشق سیر پوشا ہوا میرے بعد



از بسکہ سکھاتا ہے غم ضبط کے اندازے  
 جس زخم کی ہو سکتی ہو تدبیرِ رفو کی  
 اچھا ہے سسر انگشتِ حنائی کا تصور  
 کیوں ڈرتے ہو عشاق کی بے وصلگی سے  
 دشنے نے کبھی منہ نہ لگایا ہو جگر کو  
 صد حیف وہ ناکام کہ اک عمر سے غالب  
 سیلابِ پشت گرمی آئینہ دے ہے ہم  
 آغوشِ گل کشودہ برائے وداع ہے  
 بے وصل ہجرِ عالمِ مستکینِ ضبط میں  
 اس لب سے مل ہی جائیگا بوسہ بھی تو ہاں  
 چاہیے اچھوں کو جتنا چاہیے  
 صحبتِ رنداں سے واجبِ حذر  
 چاہئے کو تیرے کیا سمجھا تھا دل  
 چاکِ مت کر جیب بے ایامِ گل  
 دوستی کا پردہ ہے بیگانگی  
 دشمنی نے میری کھویا غیر کو  
 اپنی رسوائی میں کیا چلتی ہے سعی  
 منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید  
 غافل بن رہے طلعتوں کے واسطے

جو داغِ نظر آیا اک چشمِ نائی ہے  
 لکھ دیجیو یارب اسے قسمت میں ہو کی  
 دل میں نظر آتی تو ہے اک ہوند لہو کی  
 یاں تو کوئی سنتا نہیں سسریا و کسو کی  
 خیر نے کبھی بات نہ پوچھی ہو گلو کی  
 حسرت میں رہے ایک بُتِ عسر بہ دُجو کی  
 حیراں کیے ہوئے ہیں دل بے قرار کے  
 اے عندلیب چل کر چلے دن بہار کے  
 مشوقِ شوق و عاشقِ دیوانہ چاہیے  
 شوقِ فصول و جراتِ رندانہ چاہیے  
 یہ اگر چاہیں تو پھر کیا چاہیے  
 جاسے مے اپنے کو کھینچا چاہیے  
 بارے اب اس سے بھی سمجھا چاہیے  
 کچھ ادھر کا بھی اسٹا! چاہیے  
 منہ چھپاتا ہم سے چھوڑا چاہیے  
 کس قدر دشمن ہے دیکھا چاہیے  
 یار ہی ہنگامہ آرا چاہیے  
 ناامیدی اس کی دیکھا چاہیے  
 چاہئے والا بھی اچھا چاہیے



چاہتے ہیں خوبرویوں کو اس  
 ہر قدم دوری منزل ہے نمایاں مجھ سے  
 درس عنوان تماشا پہ تقاض خوشتر  
 وحشت آتش دل سے شب تنہائی میں  
 غم عشاق نہ ہو سادگی آموز بہتاں  
 اثر آبلہ سے جادہ صحرائے جنوں  
 بے خودی بستر تمہید فراغت ہو جو  
 شوق دیدار میں گر تو مجھے گردن ہائے  
 بے کسی ہائے شب ہجر کی وحشت ہے  
 گردش ساغر صد جلوہ رنگیں تجھ سے  
 نگہ گرم سے اک گٹھیکی ہے اس  
 نکتہ چیں ہے غم دل اس کو سنائے نہ بنے  
 میں بلا تا تو ہوں اس کو مگر اسے جذبہ دل  
 کھیل سمجھا ہے کہیں چھوڑ نہ دے بھول جائے  
 غیر پھرتا ہے لیٹے یوں ترے خط کو کہ اگر  
 اس نزاکت کا برا ہو وہ بھلے ہیں تو کیا  
 کہ سکے کون کہ یہ جلوہ گری کس کی ہے  
 موت کی راہ نہ دیکھوں کہ پن آئے نہ ہے  
 بوجہ وہ سر سے گرا ہے کہ اٹھائے نہ اٹھے

آپ کی صورت تو دیکھا چاہیے  
 میری رفتار سے بھاگے ہے بیاہاں مجھ سے  
 ہے نگہ رشتہ شیرازہ مہرگاں مجھ سے  
 صورت دور با سایہ گریزاں مجھ سے  
 کس قدر خاندان آئینہ ہے ویراں مجھ سے  
 صورت رشتہ گوہر ہے چراغاں مجھ سے  
 پر ہے سائے کی طرح میرا شبستان مجھ سے  
 ہو نگہ مثل گل شمع پریشاں مجھ سے  
 سایہ خورشید قیامت میں پنہاں مجھ سے  
 آئینہ داری یک دیدہ حیراں مجھ سے  
 ہے چراغاں خس و خاشاک گلستاں مجھ سے  
 کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے  
 اس پہ بن جائے کچھ ایسی کہ پن آئے نہ بنے  
 کاش یوں بھی ہو کہ پن میرے ستارے نہ بنے  
 کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو چھپائے نہ بنے  
 ماتہ آئیں تو انہیں ماتہ لگائے نہ بنے  
 پر وہ چھوڑا ہے وہ اس کے اٹھائے نہ بنے  
 تم کو چاہوں کہ نہ آؤ تو بھلائے نہ بنے  
 کام وہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب  
 چاک کی نوا ہش اگر وحشت بہ عریانی کرے  
 جاوے کا تیرے وہ عالم ہے گر کھینچے خیال  
 ہے شکست سے بھی دل نوید یارب کب تک  
 میکہ دگر چشم مست تاز سے پائے شکست  
 خط عارض سے لکھا ہے زلف کو الفت نے عمد  
 وہ آکے خواب میں تسکین اضطراب تو دے  
 کرے ہے قتل لگاوت میں تیرا رو دینا  
 دکھا کے جنبش لب ہی تمام کر ہس کو  
 چلا دیے اوک سے ساقی جو ہم سے نفرت ہے  
 تہجد خوشی سے مرے ہاتھ پاؤں پھول گئے  
 تپش سے سیری الفت شکش ہزار بستر ہے  
 جہر شک سر بھرا دادہ نور العین دامن ہے  
 خوشا اقبال رنجوری عبادت کو تم آئے ہو  
 بہ طوفان گاہ خوش اضطراب سے تنہائی  
 ابھی آتی ہے بوباش سے اسکی زلف شکلیں کی  
 کہوں کیا دل کی کیا حالت ہے ہجر یار میں غالب  
 خطر ہے رشتہ الفت رگ گردن نہ ہو جائے  
 سمجھ اس فصل میں کو تاہی نشو و نما غالب

کہ لگائے نہ لگے اور بھجائے نہ بنے  
 صبح کے مانند زحسم دل گریبانی کرے  
 دیدہ دل کو زیارت گاہ حیرانی کرے  
 آبکینہ کوہ پر عسہ صحران حسانی کرے  
 موسے شیش دیدہ ساغر کی مرنگانی کرے  
 یک قلم منظور ہے جو کچھ پریشانی کرے  
 دے مجھے قہر دل مجال خواب تو دے  
 تری طرح کوئی تیغ نگہ کو آب تو دے  
 نہ دے جو بوسہ تو سہ سے کہیں جاب تو دے  
 پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے شراب تو دے  
 کہا جو اس نے ذرا میرے پاؤں اب تو دے  
 مرا سر بیچ بالیں ہے مرا تن بابر بستر ہے  
 دل بے دست و پا افتادہ بر خور دار بستر ہے  
 فروغ شمع بالیں طالع بیدار بستر ہے  
 شعاع آفتاب صبح محشر تار بستر ہے  
 ہماری دید کو خواب زلیخا عار بستر ہے  
 کہ بے تابی سے ہر اک تار بستر غار بستر ہے  
 غرور دوستی آفت ہے تو دشمن نہ ہو جائے  
 اگر گل سرو کے قاصد پہ پیرا ہن ہو جائے

فریاد کی کوئی لئے نہیں ہے  
 کیوں بوتے ہیں باغبان تو بے  
 ہر چند ہر ایک شے میں تو ہے  
 ہاں کھائیو مست فریب سستی  
 شادی سے گزر کہ غم نہ ہو دے  
 کیوں روقح کرے ہے زاہد  
 ہستی ہے نہ کچھ عدم ہے غالب  
 نہ پوچھ فسخا مرہم چراحت دل کا  
 بہت دنوں میں تغافل نے تیرے پیدا کی  
 ہم رشک کو اپنے بھی گوارا نہیں کرتے  
 و پر وہ انہیں غیر سے ہے ربط نہانی  
 یہ باعث نومیدی ار باپ ہوس ہے  
 کرے ہے باد ترے لب سے کسب نگ فروغ  
 کبھی تو اس دل شوریدہ کی بھی داد ملے  
 بجا ہے گرنے نئے نالہائے بیل زار  
 اسد ہے نزع میں چل بیوفا برائے خدا  
 کیوں نہ جو چشم بتاں مجھ تغافل کیوں ہو  
 مرتے مرتے دیکھنے کی آرزو رہ جائیگی  
 عارض گل دیکھ روئے یار یاد آیا اسد

نالہ پا بند لئے نہیں ہے  
 گر باغ گدائے نہیں ہے  
 پر شجہ سی تو کوئی شے نہیں ہے  
 ہر چند کہیں کہے نہیں ہے  
 اُردی جو نہ ہو تو دے نہیں ہے  
 نئے ہے یکس کی تے نہیں ہے  
 آخر تو کیا ہے لے نہیں ہے  
 کہ اس میں ریزہ الماس جزو عظم ہے  
 وہ اک نگہ کو بظاہر نگاہ سے کم ہے  
 مرتے ہیں ولے اُن کی تمنا نہیں کرتے  
 ظاہر کا یہ پردہ ہے کہ پردہ نہیں کرتے  
 غالب کو بُرا کہتے ہو اچھا نہیں کرتے  
 خط پایا لہ سرا سر نگاہ گلچیں ہے  
 کہ ایک عمر سے حسرت پرست بالیں ہے  
 کہ گوش گل نیم شعبنم سے پنہ آگیں ہے  
 مقام ترک حجاب و ودیع تکیں ہے  
 یعنی اس بیار کو نظارے سے پرہیز ہے  
 واسے ناکامی کہ اُس کافر کا خیر تیز ہے  
 جوشش فصل بہاری اشتیاق انگیز ہے



بدو ویک جہاں پھنپھنی نہیں  
دیں ناریں شہستان دل بندہ درم



دیا ہے دل اگر اُس کو بشر ہے کیا کیئے  
 یہ ضد کہ آج نہ آئے اور آئے بن نہ ہے  
 رہے ہیں گویا گویا گویا گویا دوست کو اب  
 رہے کرشمہ کیوں دے رکھا ہے ہم کو فریب  
 سمجھ کے کرتے ہیں بازار میں وہ پریش حال  
 نہیں نہیں ہے سرِ شستہ وفا کا خیال  
 انھیں حال پہ زعم جنوں ہے کیوں لڑیئے  
 حسد سزا کے کمال سخن ہے کیا کیجئے  
 کہا ہے کس نے کہ غالب بُرا نہیں لیکن  
 دیکھ کر درپردہ گرم دامن افشانی مجھے  
 بن گیا تیغ نگاہ یار کا سنگِ فساں  
 کیوں نہ بوبے التفاتی اُس کی خاطر جمع ہے  
 میرے غم خانے کی قسمت جب قم بونے لگی  
 بدگماں ہوتا ہے وہ کافرنہ ہوتا کاشکے  
 واسے داں بھی شورِ محشر نے نہ دم لینے دیا  
 وعدہ آئے کا وفا کیجئے یہ کیا انداز ہے  
 ہاں نشاط آمدِ فصل بہاری واہ واہ  
 دی مرے بھائی کو حق نے از سر نو زندگی  
 یاد ہے شادی میں بھی ہنگامہ یارب مجھے

ہوا رقیب تو ہوتا مہر ہے کیا کیئے  
 قضا سے شکوہ ہمیں کس قدر ہے کیا کیئے  
 اگر نہ کیئے کہ دشمن کا گھر ہے کیا کیئے  
 کہ بن کے ہی انھیں سب خبر ہے کیا کیئے  
 کہ یہ کہے کہ سب رہ گزر ہے کیا کیئے  
 ہمارے ہاتھ میں کچھ ہے مگر ہے کیا کیئے  
 ہمیں جواب سے قطع نظر ہے کیا کیئے  
 ستم بہائے متاعِ ہمنہ ہے کیا کیئے  
 سوائے اس کے کہ آشفہ سر ہے کیا کیئے  
 گر گنی وابستہ تن میری عربانی مجھے  
 مرجا میں کیا مبارک ہے گران جانی مجھے  
 جانتا ہے محو پرش اسے پہنانی مجھے  
 بلکہ دیا منجھلا اسے باپ پیرانی مجھے  
 اس قدر ذوقِ فوائے مرغِ بستانی مجھے  
 لے گیا تھا گویا میں ذوقِ تن آسانی مجھے  
 تم نے کیوں سنی ہے میرے گھر کی بانی مجھے  
 پھر ہوا ہے تازہ سودائے غزلِ خانی مجھے  
 میرزا یوسف ہے غالب یوسف ثانی مجھے  
 سبچہ زاہد ہوا ہے خندہ زیر لب مجھے



ہے کشادہ خاطر و وابستہ در رہن سخن  
 یارب اس آشفگی کی داوکس سے چاہیے  
 طبع ہے مشتاق لذت ہائے حسرت کیا کروں  
 دل لگا کر آپ بھی غالب مجھ سے ہو گئے  
 حضور شاد میں اہل سخن کی آزمائش ہے  
 قد و گیسو میں قیس کوہ کن کی آزمائش ہے  
 کریں گے کوہ کن کے حوصلے کا امتحان آخر  
 نسیم صحر کو کیا پر کنگاں کی ہوا خواہی  
 وہ آیا بزم میں دیکھو نہ کیوں پھر کہ غافل تھے  
 رہے دل ہی میں تیرا چہا جگر کے پار ہو بہتر  
 نہیں کچھ سچہ و زنا کے پھندے میں گمراہی  
 پڑا رہے دل ابستہ بیتابی سے کیا حاصل  
 رگ و پے میں جب اترے زہر غم تب دیکھیے کیا ہو  
 وہ آئیں گے مرے گھر وہ کیسا دیکھنا غالب  
 کبھی نیکی بھی اس کے ہی میں گرا جائے ہے مجھ سے  
 خدا یا جذبہ دل کی مگر تاثیر سر الٹی ہے  
 وہ بدخو اور میری داستان عشق طولانی  
 اور وہ بدگمانی ہے اور حریف ناتوانی ہے  
 سنبھلنے دے مجھے سے نا اُمیدی کیا قیاس ہے

تھا طلسم قفل ابجد خائے مکتب مجھے  
 رشک آسائش پہ ہے زندانیوں کی اب مجھے  
 آرزو سے ہے شکست آرزو مطلب مجھے  
 عشق سے آتے تھے مانع میرزا صاحب مجھے  
 پمن میں خوش نوایان پمن کی آزمائش ہے  
 جہاں ہم میں داڑ اور پمن کی آزمائش ہے  
 ہنوز اس خست کے نیروے تن کی آزمائش ہے  
 اُسے یوسف کی بوسے پر پمن کی آزمائش ہے  
 شکیب و صبر اہل انجمن کی آزمائش ہے  
 غرض شست بہت ناوک فتن کی آزمائش ہے  
 وفاداری میں شیخ و برہمن کی آزمائش ہے  
 مگر پھر تاب زلف پر شکن کی آزمائش ہے  
 ابھی تو تھنی کام و دہن کی آزمائش ہے  
 نئے فتنوں میں اب چرخ کن کی آزمائش ہے  
 جفا میں کر کے اپنی یاد شرمائے ہے مجھ سے  
 کہ جتنا کھینچتا ہوں اور کھینچتا جائے ہے مجھ سے  
 بھارت مختصر قاصد بھی گھبرا جائے ہے مجھ سے  
 نہ پوچھا جائے ہے اُس سے نہ بولا جائے ہے مجھ سے  
 کہ امان خیال یا چھوٹا جائے ہے مجھ سے

تکلف برطرف نظر آگئی میں بھی سہی لیکن  
 ہوئے میں پاؤں ہی پہلے نبرد عشق میں زخمی  
 قیامت ہے کہ ہوئے مدعی کا ہم سفر غالب  
 زبکہ مشق تماشا جنوں علامت ہے  
 نہ جانوں کیوں کہ مٹے داغ طعن بدعہدی  
 بے بیچ و تاب ہوس کلک عافیت توڑ  
 دفا مقابل و دعا سے عشق بے بنیاد  
 لاغر آتا ہوں کہ گر تو ہرم میں جاوے مجھے  
 کیا تعجب ہے کہ اُس کو دیکھ کر آجائے رحم  
 نہ نہ دکھلاوے نہ دکھلا پر ہر انداز عتاب  
 یاں تلک میری گرفتاری سے وہ خوش ہے کہ میں  
 باز پھر اطفال ہے دنیا مرے آگے  
 اک کھیل ہے اور نگہ سلیمان مرے نزدیک  
 جز نام نہیں صورت عالم مجھے منظور  
 ہوتا ہے نہاں گرد میں صحرائے ہوتے  
 ست پرچہ کہ کیا سال ہے میرا تم سے پیچھے  
 سچ کہتے ہو خود میں خود آراہوں نہ کیوں ہوں  
 پھر دیکھیے انداز گل فہش فی گفتار  
 نفرت کا گماں گزرتے ہیں شکست گزرا

وہ دیکھا پائے کب ظلم دیکھا جائے ہے مجھ سے  
 نہ بھگا جائے ہے مجھ سے نہ ٹھہرا جائے ہے مجھ سے  
 وہ کافر و خدا کو بھی نہ سونپا جائے ہے مجھ سے  
 کشاد و بست مرہ سبیل ندامت ہے  
 تجھے کہ آئینہ بھی ورطہ علامت ہے  
 ہنگام و عجز سہر رشتہ سلامت ہے  
 جنون ساخت و فصل گل قیامت ہے  
 میرا دم دیکھ کر گر کوئی بست لاوے مجھے  
 واں تلک کوئی کسی حیلے سے پہنچاوے مجھے  
 کھول کر پردہ ذرا آنکھیں ہی دکھلاوے مجھے  
 زلف گر بن جاؤں تو شانے میں الجھاوے مجھے  
 ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے  
 کہ بات ہے اعجاز سیما مرے آگے  
 جزو نیم نہیں ہستی ستیا مرے آگے  
 کہتا ہے جہیں خاک پر دیر یا مرے آگے  
 تو دیکھ کہ کیا رنگ ہے تیرا مرے آگے  
 بیٹھا ہے بیت آئینہ سیما مرے آگے  
 رکھ دے کوئی یہ بیان و صبا مرے آگے  
 کیونکر کہوں لو نام نہ ان کا مرے آگے

یہاں مجھے روکے ہے جو کہنے ہے مجھے کفر  
 عاشق ہوں پر مشوق فریبی ہے مرا کام  
 خوش ہوتے ہیں پر ہوسل میں نہیں جاتے  
 ہے ہوجزن اک قلم خون کاش میں ہو  
 گواہ کو جنبش نہیں آنکھوں میں دم ہے  
 ہم ہمیشہ وہم مشرب ہم راز ہے میرا  
 کہوں جو حال تو کہتے ہو نہ عا کیے  
 نہ کیو طعن سے پھر تم کہ ہم سنگر ہیں  
 وہ بیشتر سی پر دل میں جب اتر جاوے  
 نہیں ذریعہ راحت جراحات پر کیاں  
 جو مدعی بنے اُس کے نہ مدعی بنیے  
 کہیں حقیقت جاں کا بنی مرض کیے  
 کہیں شکایت رنج گراں نہیں کیے  
 رہے نہ جان تو قاتل کو خون بہاویجے  
 نہیں نگار کو الفت نہ ہو نگار تو ہے  
 نہیں بہار کو فرصت نہ ہو بہار تو ہے  
 سفینہ جبکہ کنارے پہ آگیا غالب  
 رونے سے اور عشق میں میاں ہو گئے  
 مروت بہائے مے ہوئے آلا تے مے کش

کبیرے پیچھے ہے کلیں مارے آگے  
 مجنوں کو ہڑا کہتی ہے پیلے مرے آگے  
 آئی شب ہجر کی تمش مارے آگے  
 آتا ہے ابھی دیکھئے کیا کیا مرے آگے  
 رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے  
 غالب کو ہڑا کیوں کہو اچھا مرے آگے  
 تمہیں کہو کہ جو تم یوں کہو تو کیا کہیں  
 مجھے تو خوش ہے کہ جو کہو کہو بجا کیے  
 بجا ہوا ناز کو پھر کیوں نہ آشنا کیے  
 وہ زخم تیغ ہے جس کو کہ دکشا کیے  
 جو ناسزا کہے اُس کو نہ ناسزا کیے  
 کہیں مصیبت نہ سازئی وہاں کیے  
 کہیں حکایت صبر گریزاں کیے  
 کئے زبان تو خنجر کو جربا کیے  
 روانی روش و سستی ادا کیے  
 طراوت چمن و خوبی ہو کیے  
 خدا سے کیا ستم و جور نا خدا کیے  
 دھوئے گئے ہم اتنے کہ بس پاک ہو گئے  
 تھے یہی دو حساب سونیوں پاک ہو گئے



آپ ہمارے کتابی سلسلے کا حصہ بن سکتے  
ہیں مزید اس طرح کی شاندار،  
مفید اور نایاب کتب کے حصول کے لئے  
ہمارے ویس ایپ گروپ کو جوائن کریں  
یہ من پیسل

عبداللہ عقیق 03478848884

سدرہ طاہر 03340120123

حسنین سیالوی 03056406067



رسوائے دہر گو ہوئے آوارگی سے تم  
 کتا ہے کون نالا بلبل کو بے اثر  
 پوچھے ہے کیا وجود و عدم اہل شوق کا  
 کرنے گئے تھے اس سے تغافل کا ہم گھ  
 اس رنگ سے اٹھائی گل آئیں نے اس کی شش  
 نشہ ما شاداب رنگ و ساز ہا مست طرب  
 ہم نشین مست کہ کہ برہم کرنے بزم عیش دوست  
 عرض تاز شوخی انداں برائے خندہ ہے  
 بے عدم میں غنچہ محو بہرست انجام گل  
 کلفت افسردگی کو عیش بیتابی سرام  
 سوزش باطن کے ہیں اجاب نگر ورنیاں  
 حسن بے پروا خریدار متاع جلود ہے  
 تہ کجائے آگہی رنگ تماشا بافتن  
 جب تک ایمان زخم نہ پیداکرے کوئی  
 عالم بنابر وحشت مجنوں بے سہریر  
 افسردگی نہیں طرب انشاء التفات  
 رونے سے اے ندیم ملامت نہ کر مجھے  
 چاک جگر سے جب رہ پریش نہواہونی  
 نخت جگر سے ہے رگ ہر خاں گل

یار سے طبیعتوں کے تو پیا پاک ہوئے  
 پردے میں گل کے لاکھ جگر چاک ہو گئے  
 آپ اپنی آگ کے نس و فاشاک ہو گئے  
 کی ایک ہی نگاہ کو بس خاک ہو گئے  
 دشمن بھی جس کو دیکھ کے غناک ہو گئے  
 شیشے سے سرو سبز جو بھسا رہا نغمہ ہے  
 واں تو میرے نالے کو بھی اعتبار نغمہ ہے  
 دعوے جمعیت اجاب جائے خندہ ہے  
 یک جہاں زانو تا نعل در قفاٹے خندہ ہے  
 در نہنداں در ول افشردن بنائے خندہ ہے  
 دل میٹا کر یہ دل آستانے خندہ ہے  
 آئینہ زانوئے فکر خستہ راع جلود ہے  
 چشم و اگر دید آغوش و دواع جلود ہے  
 مشکل کہ تیرے راہ سخن واکرے کوئی  
 کب تک خیال طرہ لیلے کرے کوئی  
 ہاں دروین کے دل میں مگر عاکرے کوئی  
 آخر کہیں تو عقدہ دل واکرے کوئی  
 کیا قائمہ کہ جیب کو رسوا کرے کوئی  
 تا چند باغبانی صحرایا کرے کوئی



ناکامی نگاہ ہے برقی نظارہ سوز  
 ہر شگ و شست ہے صدق گوشت  
 سر بر ہوئی نہ وعدہ صبر آزما سے عمر  
 ہے وحشت طبیعت ایسا دیاس خیر  
 بیکاری بنوں کو ہے سر پٹنے کا شغل  
 حسن فروغ شمع فن دور ہے اسد  
 ابن مریم ہوا کرے کوئی  
 شرع و آئین پر مدار سہی  
 پال بیسے کڑی کمان کا تیر  
 بات پرواں زبان کشتی ہے  
 بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ  
 نہ سونو گر برا کہے کوئی  
 روک لو گر غلط چلے کوئی  
 کون ہے جو نہیں ہے حاجت مند  
 کیا کیا حضور نے سکندر سے  
 جب توقع ہی اٹھ گئی غالب  
 بہت سی غم گیتی شراب کم کیا ہے  
 تمہاری طرز روش جانتے ہیں ہم کیا ہے  
 سخن میں خامد غالب کی آتش افشانی

تو وہ نہیں کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی  
 نقصان نہیں جنوں سے جو سودا کرے کوئی  
 فرست کہاں کہ تیری تماشا کرے کوئی  
 یہ درد وہ نہیں کہ نہ پیدا کرے کوئی  
 جب اٹھ ٹوٹ جائیں تو پھر کیا کرے کوئی  
 پہلے دل گدہ گشت پیدا کرے کوئی  
 میرے دکھ کی دوا کرے کوئی  
 ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی  
 دل میں ایسے کے جا کرے کوئی  
 وہ کہیں اور سنا کرے کوئی  
 کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی  
 نہ کہو گر برا کرے کوئی  
 بخش دو گر خطا کرے کوئی  
 کس کی حاجت دوا کرے کوئی  
 اب کسے رہنا کرے کوئی  
 کیوں کسی کا بگڑ کرے کوئی  
 غلام ساقی کو شرہوں بھگو غم کیا ہے  
 رقیب پر ہے اگر لطف تو ستم کیا ہے  
 یقیں ہے ہم کو بھی مکیں ابس میں کیا ہے

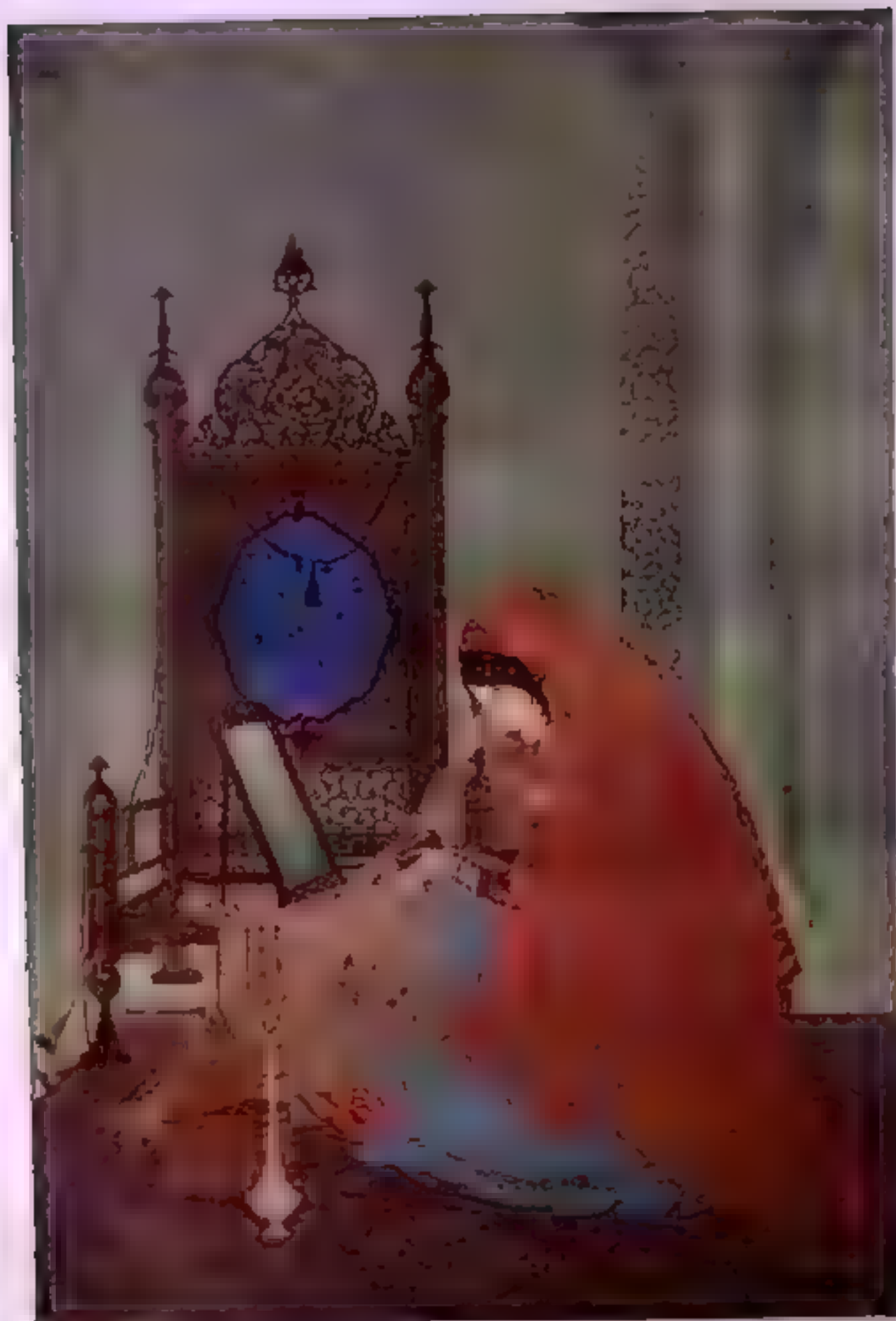
باغ پاکر خفقانی یہ ڈراتا ہے مجھے  
 جو ہر تیغ : سر پشند دیگر معلوم  
 نہ عاجز تماشائے شکست دل ہے  
 تار سراپائے یک عالم و عالم کھنڈ خاک  
 زندگی میں تو وہ مغل سے اٹھا دیتے تھے  
 روندی ہوئی ہے کوکبہ شہر یار کی  
 جب اُس کے دیکھنے کے لیے تین بادشاہ  
 بھوکے نہیں میں سیر گلستاں کے ہم ٹلے  
 ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پر دم نکالے  
 ڈرے کیوں میرا قاتل کیا رہیگا اُس کی گردن پر  
 کھانا خلد سے آدم کا سنتے آئے ہیں لیکن  
 بھرم کھل جائے ظالم تیرے قاست کی درازی کا  
 مگر لکھوائے کوئی اُس کو خط تو ہم سے لکھوائے  
 ہوئی اس دور میں منسوب مجھ سے بادہ آشامی  
 ہوئی بن سے توقع حسرت کی داد پانے کی  
 محبت میں نہیں ہے فرق جینے اور مرنے کا  
 کہاں میں خانہ کا دروازہ غالب اور کہاں اعظا  
 کو دے کے ہوں بارِ خاطر گر صدا ہو جائیے  
 بیخدا آسانگ بال و پر ہے یہ گنجِ نقص

سایہ شاخ گل افنی نظر آتا ہے مجھے  
 ہوں میں وہ سنو کہ زہرا کا تاج ہے مجھے  
 تینہ مانے میں کوئی لینے جاتا ہے مجھے  
 آسماں بیخدا قمری نظیر آتا ہے مجھے  
 دیکھوں اب مر گئے پر کون اٹھاتا ہے مجھے  
 اترائے کیوں نہ خاک سپر ہزار کی  
 لوگوں میں کیوں نہ وہ نہ ہو لالہ زار کی  
 کیونکر نہ کھائیے کہ ہوا ہے ہمار کی  
 بہت بھلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم بھلے  
 وہ خوں جو شہم تر سے غر جہریں ہمیں ہم بھلے  
 بہت بے پروا ہو کر تیرے کوچے سے ہم بھلے  
 اگر اس طرہ پر تیج و جسم کا تیج و غم بھلے  
 ہوئی صبح اور گھر سے کان پر رکھ کر قلم بھلے  
 پھر آیا وہ زمانہ ہو جہاں میں جام بھلے  
 وہ ہم سے بھی زیادہ خستہ تیج ستم بھلے  
 اسی کو دیکھ کر بیٹھے ہیں جس کا فر پہ دم بھلے  
 پراشنا جاتے ہیں کل وہ بات تھا کہ ہم بھلے  
 بے تکلف اسے شراب جنت کیا ہو جائیے  
 از سر نو زندگی ہو گر رہا ہو جائیے

مستی بذوق غفلت ساقی ہلاک ہے  
 جز زخم تیغ ناز نہیں دل میں آرزو  
 جوش جنوں سے کچھ نظر آتا نہیں  
 لب صیسی کی جنبش کرتی ہے گہوارہ جنبانی  
 آمد سیلاب طوفان صدا سے آب ہے  
 بزم سے دشت کہہ دے کس کی شہمست کا  
 بھول میں بھی تاشائی نیرنگ گستا  
 سیاہی جیسے گر جائے دم تحریر کا غدر  
 جھوم تال حیرت عاجز عرض یک افقاں ہے  
 تکلف برطنت ہے بانستاں ترطیف بدخیاں  
 ہموئی یہ کثرت غم سے تلف کیفیت شادی  
 دل و دیں نقد لا ساقی سے گر سودا کیا چاہے  
 غم آغوش بلا میں پرورش دیتا ہے عاشق کو  
 نموشیوں میں تاشا ادا نکلتی ہے  
 فشار یتنگی خلوت سے بنتی ہے شہنم  
 نہ پوچھ سینہ عاشق سے آپ تیغ نگاہ  
 جس بانسیم شانہ کثر زلف یار ہے  
 کہیں کا سراغ جلوہ ہے حیرت کو لے خدا  
 ہے دزدہ وزہ نگلی جا سے غبار شوق

موج شراب یک مژدہ خواب ناک ہے  
 جیب خیال بھی ترے ہاتھوں چاک ہے  
 صحرا ہماہی آنکھ میں یک شبت خاک ہے  
 قیامت کشتہ لعل بتاں کا خواب سنگیں ہے  
 نقش پا جو کان میں رکھا ہے انگلی بارود سے  
 شیشے میں نہیں پری پنہاں ہے موج بارود سے  
 مطلب نہیں کچھ اس سے کہ مطلب ہی برآئے  
 مری قسمت میں توں تصویر ہے شبت ہجران کی  
 خوشی ریشہ صد فیستاں سے خس بدنداں ہے  
 نگاہ بے حجاب ناز تیغ تیز عریاں ہے  
 کہ صبح عید مجھ کو بدتر از چاک گریاں ہے  
 کہ اس بازار میں ساغر ستارے دستگردوں سے  
 چرخ روشن اپنا قلم صرصر کا مرجاں ہے  
 نگاہ دل سے تری سرور سا نکلتی ہے  
 جبا جو غنچہ کے پردے میں جا نکلتی ہے  
 کہ زخم وزین در سے ہوا نکلتی ہے  
 نافہ دماغ آہو سے دشت تار ہے  
 آئینہ فرس شش جبت اتخار ہے  
 گرد ام یہ ہے ہوسٹ صحرانکار ہے





آزیدہ دیکھ اپنا سائنہ لے کے لو گئے  
صاحب کر دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا

دل مدعی و دیدہ بنانہ عا علیہ  
 چھڑکے ہے شبنم آئینہ بگل پر آب  
 بیچ آپڑی ہے وعدہ دلدار کی مجھے  
 بے پردہ سوئے واوی مجنوں گزرتا  
 اے عنذیب یک کعبت خس بہر آشیاں  
 دل مت گنوا خبر نہ سہی سیر ہی سہی  
 غفلت کفیل عمر و سدا من نشا  
 آئینہ کیوں نہ دوں کرتا شا کہیں جسے  
 حسرت نے لار کھاتری ہزیم خیال میں  
 پھونکا ہے کس نے گوشِ محبت میں اے خدا  
 سر پر ہجوم دردِ حسرت ہی سے ڈالے  
 ہے چشمِ تری حسرت دیدار سے نساں  
 درکار ہے شگفتہ گھاسے عیش کو  
 غالب بڑا نہ مان جو دوا عطر کا کے  
 شبنم بگل لالہ نہ خالی زار اے  
 دل خوں شدہ کشکیشِ حسرت دیدار  
 شعلے سے نہ ہوتی ہو جس شعلہ نے جو کی  
 مثال میں تیری ہے وہ شوقی کہ بعدِ فوق  
 قمری کعبت خاکسترو بیلِ قنبر زنگ

نقارہ کا منتہی پھر رو بکار ہے  
 اے عنذیب قبت و دایع بہار ہے  
 وہ آئے یا نہ آئے یہاں انتظار ہے  
 ہر قسم کے نقاب میں دل بیقرار ہے  
 طوفان آمد آفہ فصل بہار ہے  
 اے بے دماغ آئینہ مثال دار ہے  
 اے مرگ ناگماں تجھے کیا انتظار ہے  
 ایسا کہاں سے لائوں کہ تجھ سا کہیں جسے  
 گلہ سہی نگاہ سویدا کہیں جسے  
 افسونِ تنفسِ رقتِ کبھی جسے  
 دو ایک مشتِ خاک کہ بھرا کہیں جسے  
 شوقِ غناں گسیختہ دریا کہیں جسے  
 صبح بہار چسبہ بیٹا کہیں جسے  
 ایسا بھی کوئی ہے کہ سب بچا کہیں جسے  
 دماغِ دل بے درد نظر گاہِ حیا ہے  
 آئینہ بدست بُت بدستِ حنا ہے  
 جی کس قدر افسردگی دل پہ چلا ہے  
 آئینہ بہ اندازِ بگل آغوشِ کشا ہے  
 اے نالہ نشانِ جگر سوختہ کیا ہے



خونے تری افسردہ کیا وحشت دل کو  
 مجھ پر سی و دو حواسے گر قناری الفت  
 معلوم ہوا حال شہیدانِ گزشتہ  
 لئے پر تو نور شہید جہاں تاب ادھر بھی  
 ناکرد گناہوں کی بھی حسرت کی لئے داد  
 بیگانگی خلق سے بے دل نہ ہو غالب  
 منظور تھی یہ شکل تجلی کو نور کی  
 اک خوشچھا کفن میں کروڑوں بناؤ ہیں  
 واعظ نہ تم پیو نہ کسی کو پلاسکو  
 روتا ہے مجھ سے شہر میں قاتل گریوں اٹھا  
 آمد بہار کی ہے جو بلبل ہے نغمہ سنج  
 گواں نہیں پہ واں کے نکالے ہوئے تو اس  
 کیا فرض ہے کہ سب کو بیٹے ایک سا جواب  
 گرمی سی کلام میں لیکن نہ اس قدر  
 غالب گر اس سفر میں مجھے ساتھ لئے طیس  
 غم کھانے میں بودا دلِ ناکام بہت ہے  
 کہتے ہوئے ساقی سے حیا آتی ہے درد  
 نے تیر کماں میں ہے نہ مستیا دکیں میں  
 کیا زہد کو مانوں کہ نہ ہو گر چہ ریائی

معشوقی و بے حوصلگی طرفہ ہلا ہے  
 دستِ تیر منگ آمدہ پیمان وفا ہے  
 تیج ستم آئینہ تصویرِ فنا ہے  
 سانے کی طبع ہم پچھت پڑا ہے  
 یارب اگر ان کرو گناہوں کی مزا ہے  
 کوئی نہیں تیرا تو مری جان خدا ہے  
 قسمت کھل ترے قد و رخ سے ظہور کی  
 پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پہ خور کی  
 کیا بات ہے تمھاری شرابِ طہور کی  
 گویا ابھی سنی نہیں آوازِ صور کی  
 اڑتی سی اک خبر ہے زبانِ طہور کی  
 کہے سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے دُور کی  
 آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی  
 کی جس سے بات اُس نے شکایتِ ضرور کی  
 حج کا ثوابِ نادر کروں گا حضور کی  
 یہ رنج کہ کم ہے لئے گھغام بہت ہے  
 ہے یوں کہ مجھے دُرد تہ جام بہت ہے  
 گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے  
 پاداشِ عمل کی طبعِ حسام بہت ہے

ہیں اہل خرد کس روشنی خاص پر نازاں  
 زرم ہی پر چھوڑ دے مجھے کیا طوفانِ حرم سے  
 ہے تھر تھرا اب بھی نہ بنے بات کر اُن کو  
 خوں ہو کے جگر آنکھ سے چپکا نہیں لے مرگ  
 ہو گا کوئی ایسا بھی کہ غالب کو نہ جانے  
 مدت ہوئی ہے یار کو سماں کیے ہوئے  
 کرتا ہوں جمع پھر سب گریختِ نعت کو  
 پھر وضعِ احتیاط سے رکھنے لگا ہے دم  
 پھر گرم نالہائے شہر بار ہے نفس  
 پھر پُرسشِ جراحتِ دل کو چلا ہے عشق  
 پھر بھرا ہوں خارِ مرگاہاں پر خونِ دل  
 باہر گر ہوئے ہیں دل و دید و پھر رقیب  
 دل پھر طوائف کوئے ملامت کو چائے ہے  
 پھر شوق کر رہا ہے خسریا کی طلب  
 دُڑے ہے پھر ہر ایک گلِ لالہ پر خیال  
 پھر چاہتا ہوں نام نہاد و لہذا رکھو لہذا  
 مانگے ہے پھر کسی کو لبِ بام پر ہوس  
 چاہے ہے پھر کسی کو مقابل میں آرزو  
 اک نو بہارِ ناز کو تاکے ہے پھر نگاہ

پابستگی رسم و رواجِ عام بہت ہے  
 آلودہ بنے جا رہا حرام بہت ہے  
 یککار نہیں اور مجھے ابرام بہت ہے  
 رہنے دے مجھے یاں کہ ابھی کام بہت ہے  
 شاعر تو وہ اچھا ہے پر بدنام بہت ہے  
 جوشِ قہج سے زرم چراغاں کیے ہوئے  
 عرصہ ہوا ہے دعوتِ مرگاہاں کیے ہوئے  
 برسوں ہوئے ہیں چاک گریباں کیے ہوئے  
 مدت ہوئی ہے سیر چراغاں کیے ہوئے  
 سماں جسہ ہزار نکداں کیے ہوئے  
 سازِ چمن طسرازی دماں کیے ہوئے  
 نظارہ و خیال کا سماں کیے ہوئے  
 پسندار کا صمکدہ ویاں کیے ہوئے  
 عرضِ متاعِ عقل و دل و جاں کیے ہوئے  
 صد گلستاں نگاہ کا سماں کیے ہوئے  
 جاں نذر و فسر ہی عواں کیے ہوئے  
 زلفِ سیاہ رخ پر پریشاں کیے ہوئے  
 سرے سے تیز دشنہ مرگاہاں کیے ہوئے  
 چہرہ فروغ نے سے گلستاں کیے ہوئے

پھر جی میں ہے کہ درپہ کسی کے پڑے رہیں  
 جی ڈھونڈتا ہے پھر جی فرصت کے راتن  
 غالب ہیں نہ پھیر کہ پھر جوش اشک سے  
 نوید امن ہے پیدا دوست جاں کے لئے  
 بلا سے گر مرثیہ یار تشنہ خوں ہے  
 وہ زندہ ہم ہیں کہ ہیں روشناس خلق لئے خضر  
 رہا بلا میں بھی میں مبتلا سے آفت رشک  
 فلک نہ دور رکھ اس سے مجھے کہ میں ہی نہیں  
 مثال یہ مری کو کبشش کی ہے کہ مرغ اسیر  
 گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئے  
 بقدر شوق نہیں غلام تنگنا غزل  
 دیا ہے خلق کو بھی تا اسے نظر نہ لگے  
 زباں پر بار حُسن آیا یہ کس کا نام آیا  
 نصیر دولت و دیں اور تعین بخت و ملک  
 زمانہ عہد میں اس کے ہے مجھ آرایش  
 ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے  
 اولے خاص سے غالب ہوا ہے نکتہ سرا

سرزیر بار شست درباں کیے ہوئے  
 بیٹھے رہیں تصور جساتاں کیے ہوئے  
 بیٹھے ہیں ہم تہیہ طوقاں کیے ہوئے  
 رہی نہ طرز ہستم کوئی آسماں کے لئے  
 رکھوں کچھ اپنی بھی مرگناں خونفشاں کے لئے  
 نہ تم کہ چور بنے عسیر جاوواں کے لئے  
 بلائے جاں ہے ادا تیری اک جہاں کے لئے  
 دراز دستی قاتل کے اتحساں کے لئے  
 کرتے قفس میں فراہم خن مشیاں کے لئے  
 اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاسباں کے لئے  
 کچھ اور پاسیہ وسعت مرے بیاں کے لئے  
 بنا ہے عیش تجمل حسین خاں کے لئے  
 کہ میرے تعلق نے ہو سے مری زباں کے لئے  
 بنا ہے چرخ بریں جس کے آستاں کے لئے  
 بنیں گے اور شارے اب آسماں کے لئے  
 سفینہ چاہیے اس جسر بیکراں کے لئے  
 سلائے عام ہے یار ابن نکتہ داں کے لئے







مانگے سے پھر کسی کو پام پر ہوس  
زلف سیاہ رخ پریشاں کئے ہوئے

# قصائد

سازیک ذرہ نہیں فیضِ مہن سے بیکار  
مستی بادِ صبا سے ہے ہر غنِ ہنرہ  
ہنرہ جامِ زمرد کی طرح داغِ پتنگ  
مستی ابر سے گلہینِ طرب ہے حسرت  
کوہِ مہرا ہر معموری شوقِ بسمل  
سوچے ہے فیضِ ہوا صورتِ سرنگانِ قیم  
کاٹ کر پھینکے ناخن تو باندازِ بدل  
کھنکھہ ہر خاکِ بگروں شدہ قمری پرواز  
یکدم سے میں ہوا اگر آرزو سے گلہینی  
موجِ گلِ دھندلے بھلوت کہ دغِ پتہ باغ  
کھینچے گرمائی اندیشہ چمن کی تصویر  
اعل سے کی ہے پئے زمردِ بدستِ ثناء  
وہ شہنشاہ کہ جس کی پئے تعمیرِ سرا  
فلکِ العرشِ جہمِ خیمِ دوششِ مزدور  
ہنرہ چمنِ یک خطِ پشتِ لبِ بام  
داں کی خاشاک سے محال ہو جسے یک کواہ

سایہ لالہ بیدارِ سوزِ اسے ہمار  
ریزہ ٹپٹہ سے جو ہر تیغِ کسار  
تازہ ہے ریشہ ناریج صفتِ روعِ شرار  
کہ اس آغوشِ مہن میں ہے دو عالمِ کافار  
راہِ خوابیدہ ہوئی خندہ گل سے بیدار  
سرِ نوشتِ دو جہاں ابرہ یک سطرِ غبار  
قوتِ نامیہ اس کو بھی نہ چھوٹے بیکار  
دامِ ہر کاغذِ آتشِ زودِ طاہرِ ہسکار  
بھول جا یک قندِ بادِ بہ طاقِ عکاز  
گم کرے گوشہ میخانہ میں گر تو دستار  
ہنرہ مثل خطِ نوخیز ہر خطِ پرکار  
نوحی ہنرہ کسار نے پیدا منتار  
چشمِ جبریل ہوئی قالبِ شستِ دیوار  
رشتہ فیضِ زل سا زلثابِ سمار  
دستِ محبتِ حدِ عارفِ یک اوجِ حصار  
وہ رہے مزدورِ بالِ پری سے ہزار



خاکِ محرابِ نعت جو ہر سیرِ عرفا  
 دُرواں اس گرد کا خورشید کو آئینہ تاز  
 آفرینش کو ہے اس سے طلبِ مستی تاز  
 فیض سے تیرے ہے اے شمعِ شبستان بہار  
 شکلِ ملاؤس کرے آئینہ خانہ پرواز  
 تیری اولاد کے غم سے ہے نئے گروں  
 ہم عبادت کو تر نقشِ قدم تھر تھر تاز  
 مع میں تیری نہاں زریز نعت نبی  
 جو ہر دستِ دعا آئینہ یعنی تاثیر  
 مردِ مک سے ہو عرا خانہ اقبال نگاہ  
 دشمنِ آلِ نبی کو بہ طرب خانہ و ہر  
 دیدہ تامل ہر آئینہ یک پر تو شوق  
 دہر جز جلوہ یکستالی معشوق نہیں  
 بیدلِ مائے تاشاک نہ عبرت ہے نہ ذوق  
 ہرزہ ہے نغمہ زیر و بم ہستی و عدم  
 نقشِ معنی ہمہ خیال نہ عرضِ صورت  
 لافِ دانش غلط و نفعِ عبادت معلوم  
 شہلِ مضمون وفا بارِ بدستِ تسلیم  
 عشقِ بڑی شیرازہ اجزائے حواس

چشمِ نقشِ قدم آئینہ بخت بیدار  
 گردِ اس شست کی امید کو احرام بہار  
 عرضِ خیال نہ ایجاد ہے ہر موجِ بہار  
 دل پروانہ چراغاں پر بلبلِ گلزار  
 ذوق میں جلوہ کے تیرے چہرے دیدار  
 سلکِ اختر میں بہ نو مرثیہ گو بہار  
 ہم ریاضت کو ترے حوصلے سے استعمار  
 جام سے تیرے عیاں بادۂ جوشِ اسرار  
 یک طرفہ دانشِ مرگ کانِ دگر سو غم خار  
 خاکِ در کی تری جو چشم نہ ہو آئینہ دار  
 عرضِ خیال نہ سیلاب ہو طاقِ دیوار  
 فیضِ منی سے خطِ ساغرِ اتم سرشار  
 ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہو نا خود میں  
 یکسی لمبے تمنا کہ نہ دنیا ہے نہ دیں  
 لغو ہے آئینہ فرقِ جنون و تمکین  
 سخنِ حق ہمہ پیمانہ ذوقِ تحسین  
 درو یک ساغرِ غفلت ہے چہ دنیا و چہ نہیں  
 صورتِ نقشِ قدم خاکِ بفرقِ تمکین  
 ہل زنگارِ رنج آئینہ حسنِ نقین

کو بکن گرسند مزدور لب گاہ قریب  
 کس نے دیکھا نفس اہل وفا آتش خیز  
 سامع زمرہ اہل جہاں ہوں لیکن  
 کس قدر ہرزہ سرا ہوں کہ عیاذ باللہ  
 نقشب لاجل لکوائے خامہ ہڈیاں تھری  
 مظہر فیض خدا جان و دل خستیم رسل  
 ہو وہ سراپا ایجو و جہاں گزم خرام  
 جلوہ پرواز ہو نقش قدم اس کا جس جا  
 نسبت نام سے اس کے ہے یہ رتیبہ کبھی  
 فیض خلق اس کا ہی شامل ہے کہ بتا ہے سدا  
 برترش تیج کا اس کی ہے جہاں میں چرچا  
 کفر سوز اس کا وہ جلوہ ہے کہ جس سے نونے  
 جاں پناہ دل و جاں فیض سانا سنا  
 جسم اطہر کو ترے دو کشتیں ہمیں بر منبر  
 کس سے ممکن ہے تری مع بغیر از واجب  
 آستان پر ہے ترے جو برائیت سنگ  
 تیرے در کے لیے سبب تار فادہ  
 تیری رحمت کے لیے ہیں لہ جاں کام و زبان  
 کس سے ہو سکتی ہے مداحی مدوح حسدا

بیستوں آئینہ خواب گراں شیریں  
 کس نے پایا اثر الالہا سنے حریف  
 نہ سرو برگ ستایش نہ دماغ نفیس  
 یک قدم غارت آداب ہستار تو تمکین  
 یا علی عرض کراے فطرت و موس قریں  
 قبلہ الہی کعبہ ایجاب یقین  
 برکت خاک ہے واں گردہ تصویر میں  
 وہ کتب خاک ہے ناموس دو عالم کی ایس  
 ابد پشت خاک خم شدہ و نازنین  
 بوئے گل سے نفس باوہمسا عطر آگین  
 قطع ہو جانے نہ مر رشتہ ایجا رکین  
 رنگ عاشق کی طرح رونق بختانہ ہیں  
 ہی ختم رسل تو ہے بقواے یقین  
 نام نامی کو ترے نامیہ عرش نگین  
 شعلہ شمع مگر شمع پر باندھے آئیں  
 رقم بندگی حفر بست جسریل ایس  
 خاکوں کو جو خدا نے دیے جان و دل و دیں  
 تیری تسلیم کو ہیں لوح و قلم دست و جبین  
 کس سے ہو سکتی ہے آرائش فروزین

جنس بازار معاصی اسد اللہ اسد  
 شوقی عرض طالب میں ہے گستاخ طلب  
 دے دعا کو مری وہ مرتبہ حسن قبول  
 غم شیر سے ہو سینہ یہاں تک بھر  
 طبع کو الفت دل میں یہ سرگرمی شوق  
 دل الفت نب دسینہ توحید نضا  
 صرف اہل اثر شعلہ دود ووزخ  
 ہاں مہر نو سنیں ہم اُس کا نام  
 دو دن آیا ہے تو نظر دم مسج  
 بارے دو دن کہاں رہا غائب  
 اڑ کے جانا کہاں کہ تاروں کا  
 مرجبا اے سرور خاص خواص  
 غدر میں تین دن نہ آنے کے  
 اُس کو بھولا نہ چاہیے کہنا  
 ایک میں کیا کسب نے جان لیا  
 رازِ دل مجھ سے کیوں چھپاتا ہے  
 جانتا ہوں کہ آج دنیا میں  
 میں نے مانا کہ تو ہے حلقہ بگوش  
 جانتا ہوں کہ جانتا ہے تو

کہ سوا تیرے کوئی اُس کا خریدار نہیں  
 ہے ترے حوصلہ فضل پر از بس کہ یقین  
 کہ اجابت کہے ہر حرف پہ سو بار آئیں  
 کہ میں خون جگر سے مری آنکھیں نہ لگیں  
 کہ جہاں تک چلے اُس سے قدم اور مجھ سے نہیں  
 نگہ جلوہ پرست و نفس صدق گزیر  
 وقت اجباب گل و سبیل فروں ہیں  
 جس کو تو جھک کے کر رہا ہے سلام  
 میں انداز اور یہی اندام  
 بند و عاجز ہے گردش نیام  
 آسمان نے بھجا رکھا تھا دام  
 جتنا اے شایط عام عوام  
 لے کے آیا ہے عید کا پیغام  
 صبح جو جائے اور آئے شام  
 تیرا آغناز اور ترا انجام  
 مجھ کو سمجھا ہے کیا کہیں تمام  
 ایک ہی ہے اسید گاہ امام  
 غالب اُس کا مگر نہیں ہے غلام  
 تب کہا ہے بطسیر استغمام





تم بہار کی سب سے خوبیاں مجھے غمہ سنج  
آئی ہیں کہ سب سے زبانی طیور کی

مہر تاباں کو ہو تو ہو اسے ماد  
 تجھ کو کیا پایہ روشناسی کا  
 جانتا ہوں کہ اس کے فیض سے تو  
 ماہ بن ماہتاب بن ہیں کون  
 میرا اپنا جٹ۔ اس سالہ ہے  
 ہے مجھے آرزوئے بخشش خاص  
 جو کہ بختے گا تجھ کو تر فروغ  
 جب کہ پودہ ہنزل نسلی  
 تیرے پر تو سے ہوں فروغ پذیر  
 دیکھنا میرے ماتھے میں لہریز  
 پھر غزل کی روشیں چل نکلا  
 زہرِ عنس کر چکا تھا میرا کام  
 مئے بن پھر کیوں تیں پیئے جاؤں  
 بوسہ کیسا یہی غنیمت ہے  
 کعبے میں جا بجائیں گے ناتوس  
 اس قلع کا ہے دورِ بخت کو نقد  
 بوسہ دینے میں ان کو ہے انکار  
 پھیرتا ہوں کہ ان کو غنیمت آئے  
 کہ چکا میں تو سب کچھ اب تو کہ

قریب ہر روز پر سبیل وہ ام  
 جز بہ تقریب عید ماہِ صیام  
 پھر بنا چاہتا ہے ماہِ تمام  
 مجھ کو کیا بانٹ دے گا تو انعام  
 اور کے لین دین سے کیا کام  
 گرتے ہے امیدِ رحمت عام  
 کیا دے گا مجھے مٹے گلہ کام  
 کر چکی قطع تیسری تیزی کام  
 کسے دے شکوے و معنی و منظر و بام  
 اپنی صورت کا اک بلوریں جام  
 تو بن طبع چاہتا تھا گلام  
 تجھ کو کس نے کہا کہ ہو بدنام  
 غم سے جب ہو گئی ہو زینتِ حرام  
 کہ نہ بچیں وہ لذت و شہنام  
 اب تو باندھا ہے دیر میں احرام  
 پنج نے لی ہے جس سے گردشِ دام  
 دل کے لینے میں جن کو تھا ابرام  
 کیوں رکھوں ورنہ غالب اپنا نام  
 لے پڑی چہرہ پیک تیز خرام



کون ہے جس کے در پہ تاصیر سا  
 تو نہیں جانتا تو مجھ سے سن  
 قبلہ چشم و دل بہادر شاہ  
 شہسوار طریتہ انسان  
 جس کا ہر فعل صورت اعجاز  
 بزم میں سیس زبان قیصر و جم  
 اسے ترا لطف زندگی اسزا  
 چشم بد و خسر و آنہ شکوہ  
 جان نثاروں میں تیرے قیصر و جم  
 وارث ملک جانتے ہیں تجھے  
 زور بازو میں مانتے ہیں تجھے  
 مرجا محوش گمانی ناوک  
 تیر کو تیرے تیر غیسر بدت  
 مد کا کر رہی ہے کیا دم بند  
 تیرے خیال گراں حبس کی صدا  
 فن صورت گری میں تیرے گزر  
 اُس کے مغروب کے سرو تن سے  
 جب ازل میں رستم پذیر ہوئے  
 در آن اوراق میں بہ کلب قضا  
 میں مد و مرو زہرہ و بہت رام  
 نام شاہنشاہ بندہ مستام  
 مظلوم زواج لال و الاکرام  
 نوبہ سار حقیقتہ اسلام  
 جس کا ہر قول معنی الہام  
 رزم میں استاد رستم و سام  
 اسے ترا عہد فرخی فہام  
 لوشش اللہ عار منانہ کلام  
 جرم خواروں میں تیرے مرشد جام  
 ایرج و تور و خسرو و بہرام  
 گیدو گودرز و بیشن و رام  
 آنسریں آبداری مصم  
 تیج کو تیرے تیج خصم نیام  
 برق کو دے رہا ہے کیا الزام  
 تیرے خورشید سبک عنان کا خرام  
 گزرتے رکھتا ہو دستگاہ تمام  
 کیوں نمایاں ہو صورت او فام  
 صفحہ اسے لیسالی و ایام  
 بمطالعہ رجب ہوئے احکام

لیکو دیا شاہدوں کو عاشق کش  
 آسمان کو کہا گیا کہ کہیں  
 حکم ناطق لکھ گیا کہ لکھیں  
 آتش و آب و بار و خاک نے لی  
 مہر خشاں کا نام خسرو روز  
 تیری توقیع سلطنت کو بھی  
 کاتب حکم نے بوجہ حکم  
 ہے ازل سے روانے آغاز  
 مسجد و روازہ خاور کھلا  
 خسرو خیم کے آیات میں  
 وہ بھی تھی اک سیما کی سی نو  
 ہیں کو اکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ  
 سطح گردوں پر پڑا تقاربات کو  
 صبح آیا جانب شرق نظر  
 محی نظر بندی کیا جب روضہ  
 لاکے ساتی نے صنوجی کے لیے  
 بزم سلطانی ہوئی آراستہ  
 تاج زریں مہر تاباں سے سوا  
 شاد روشن دل بہادر شہ کہ ہے

لکھ دیا عاشقوں کو دشمن کام  
 گنبد تیز گرد و نیلی فام  
 خال کو دانہ اور زلف کو دام  
 وضع سوز و غم و رم و آرام  
 ماوتاباں کا اسم حسنہ شام  
 دی بدستور سورت ارتقام  
 اس رستم کو دیا طرہ زرد و  
 ہوا بہ تک رسائی انجام  
 مہر عالتاب کا منظر کھلا  
 شب کو تھا گنجینہ گوہر کھلا  
 صبح کو رازہ مر و نہیتر کھلا  
 دیتے ہیں دھوکا یہ بازیگر کھلا  
 موتیوں کا ہر طرشت زیور کھلا  
 اک جگہ آتشیں شمع سر کھلا  
 باد گل رنگ کا سافر کھلا  
 رکھ دیا ہے ایک جام زر کھلا  
 کعبہ امن و امن کا در کھلا  
 خسرو آفاق کے منہ پر کھلا  
 رازہ بستی اس پستہ کھلا

وہ کہ جس کی صورتِ تکریم میں  
 وہ کہ جس کے ناخنِ تاویل سے  
 چلے دار کا بجل آیا ہے نام  
 روشناسوں کی جہاں فرستے  
 تو بن شہ میں ہے وہ خوبی کہ جب  
 نقشِ پا کی صورتیں وہ دلفریب  
 مجھ پہ فیضِ تربیت سے شاہ کے  
 لاکھ عقدے دل میں تھے لیکن ہر ایک  
 تھا دل وابستہ تھل بے کلید  
 باغِ معنی کی دکھاؤں گا بہار  
 ہو جہاں گرم غزلِ خوالی نفس  
 کچھ میں بیٹھا رہوں میں پرکھلا  
 ہم چا پیں اور کھلے یوں کون جے  
 ہم کو ہے اس رازداری پر گھنٹہ  
 واقعی دل پر بھلا لگتا تھا داغ  
 ناتھ سے رکھ دی کب ابروئے کہاں  
 مفت کا کس کو پڑا ہے جرقہ  
 سوزِ دل کا کیا کرے بارانِ اشک  
 نامے کے ساتھ آگیا پیغامِ مرگ

مقصدِ نہ چرخ و بہشت اختر کھلا  
 عقدہ احکامِ پنجیب پرکھلا  
 اُس کے سرنگوں کا جب فکر کھلا  
 وہاں لکھا ہے چہرہ قیصر کھلا  
 تھان سے اد غیرتِ سر حر کھلا  
 تو کے تجھ سے آذر کھلا  
 نصبِ مر و مر و محو کھلا  
 میری جذوع سے باہر کھلا  
 کس نے کھولا کب کھلا کیونکر کھلا  
 مجھ سے گریٹ و سخن گستر کھلا  
 لوگ جانیں طبلہ غنیر کھلا  
 کاشکے ہوتا نفس کا در کھلا  
 یار کا دروازہ پائیں گر کھلا  
 دوست کا ہے رز و دشمن پرکھلا  
 زخم لیکن داغ سے بہتر کھلا  
 کب کمر سے غم سے کے خنجر کھلا  
 رہروی میں پردہِ مہرب کھلا  
 آگ بجھ کی بینہ اگر دم بھر کھلا  
 رہ گیا خطِ میری چھپاتی پرکھلا



سلسلہ سیرت النبی و آلہ  
عالم کتب و رسائل



دیکھو غالب سے گرا بھاکوئی	سے دلی پوشیدہ اور کافر کھلا
پتھر بواہ دست طرازی کا خیال	پتھر مرد و خورستید کا دفتر کھلا
خامے نے پانی طبیعت سے مدد	باد ہاں کے اٹھتے ہی لنگر کھلا
منج سے مدد کی دیکھئے شکوہ	عرض سے یاں تیس جوہر کھلا
مہر کا نیا چنرغ چکر کھا گیا	بادش کا رایت لشکر کھلا
بادشہ کا نام لیتا ہے خطیب	اب علو پایہ منسب کھلا
سکڑشہ کا ہوا ہے روشناس	اب عیار آبرو سے زر کھلا
شاہ کے آگے دھرا ہے آئینہ	اب مال سلی اس کندہ کھلا
ملک کے وارث کو دیکھا تھلے	اب فریب طفل و سنجر کھلا
ہو سکے کیا مدح ماں اک نام ہے	دفتر مدح جہاں داد کھلا
فکر اچھی پرستائش ناتمام	عجز اعجاز ستائش گر کھلا
بیانتا ہوں ہے خط لوح ازل	تم یہ اسے خامستان م آور کھلا
تم کرو صاحبقرانی جب ملک	سب سے ظہیم روز و شب کا در کھلا

## در صفت انہ

ماں دل در دست ز مہر ساز	کیوں نہ کھولے دیر سنرینہ راز
قادر کا نصف پر رواں ہونا	شاخ گل کا ہے گل فشاں ہونا
مجھ سے کیا پوچھتا ہے کیا لکھے	نکتہ ہائے خبر و سنر لکھے
بارے آموں کا کچھ بیاں ہو جائے	خام نخل رطب فشاں ہو جائے



آم کا کون مرو میسداں ہے  
 تاک کے جی میں کیوں رہے ارمیاں  
 آم کے آگے پیش جائے خاک  
 نہ چلا جب کسی طرح مستور  
 یہ بھی ناچار جی کا کھوتا ہے  
 مجھ سے پوچھو تھیں خبر کیا ہے  
 نگل اُس میں نہ شاخ و برگ نہ بار  
 اور دوڑا اے قیاس کہاں  
 جان میں ہوتی گر یہ شیرینی  
 جان دینے میں اُس کو یکتا جان  
 نظر آتا ہے یوں مجھے یہ ثمر  
 آتش گل پہ تند کا ہے توام  
 یا یہ ہوگا کہ قرط رافت سے  
 انگبیس کے حکم ربٹ اناس  
 یا لگا کر حضرت نے شاخ نبات  
 تب ہوا ہے ثمر نشاں یہ نخل  
 تھا ترنج زر ایک خسرو پاس  
 آم کو دیکھتا اگر ایک بار  
 رونق کا رگ و برگ و ثوا

ثمر و شاخ گوئے و چوگاں ہے  
 آئے یہ گوئے اور یہ میسداں  
 پھوڑتا ہے جلے پھوڑے تاک  
 بادۂ تاب سب سینگیا انگور  
 شرم سے پانی پانی ہوتا ہے  
 آم کے آگے نیشکر کیا ہے  
 جب خزاں آئے تب ہو اس کی ہمار  
 جان شیریں میں بیٹھا کس کہاں  
 کہ ممکن باد جوہر غم گینی  
 پروہ یوں سہل دے نہ سکتا جان  
 کہ دوا حسناۃ ازل میں مگر  
 شیرہ کے تار کا ہے ریشہ نام  
 باغبانوں نے باغ جنت سے  
 بھر کے نیچے ہیں سر بہر گلاس  
 بدتوں تک دیا ہے آب حیات  
 ہم کہاں در نہ اور کہاں نخل  
 رنگ کا زرد پر کہاں بو باس  
 پھینک دیتا طلا سے دست افشار  
 نازشیں دودمان آسب دہوا

<p>ملوئی و سردرد کا جگر گوشہ  نار پروردہ بہار ہے آم  نور بخشیل باغ سلطانی ہو  عدل سے اُس کے ہے حمایت عہد  زینت طینت و جمال  چہرہ آرائے تاج و مسند و تخت  خلق پر وہ حسد اکا سایہ ہے  جب ملک ہے نمود سایہ و نور  دارِ شگنج و تخت و فخر کو  اور غالب پسرِ باں رکھو</p>	<p>رہر و را و خسلہ کا توش  صاحب شاخ و برگ و بار ہے آم  خاص وہ آم جو نہ ارزاں ہو  وہ کہ ہے والی ولایت عہد  فخر دیں عزیز شان و جاہ و جلال  کار فرمائے دین و دولت و بہت  سایہ اُس کا ہما کا سایہ ہے  اے مفیض و جود سایہ و نور  اس حسد او نہ مبینہ پردہ کو  شاد و دل شاد و مستاد ماں رکھو</p>
---	---

## قطعات

<p>اے جہاندار کرم شیوہ بے شبہ عدیل  فرق سے تیرے کرے کسب سادات اکیل  تیری رفتارِ قلم جنبشِ بالِ جبریل  تجھ سے دنیا میں بچھا مائدہ بذلِ طلیل  یہ کرم داغ نہ ناصیہ قلم و نیل  تا ترے عہد میں جو رنج و الم کی تسلیل</p>	<p>اے شہنشاہِ فلک منظور بے مثل و نظیر  پاؤں سے تیرے علمے فرقِ ارادت اور رنگ  تیرا اندازِ سخن شائے زلفِ المام  تجھ سے عالم پہ کھلا رابطہ قربِ کلیم  سخنِ اوجِ درِ مرتبہ معنی و لفظ  تا ترے وقت میں ہو پیشِ طرب کی توقیر</p>
---	--

ماہ نے چھوڑ دیا ثور سے جانا باہر  
 تیری دانش مری اصلاح مفاسد کی رہین  
 تیرا اقبال ترشہ مرے سینے کی نوید  
 بخت ناساز نے چاکر زوے بھکواں  
 پیچھے ڈالی ہے سرشتہ اوقات میں گانٹھ  
 تیش دل نہیں بے رابطہ خوب عظیم  
 دوسری سے مرا صفحہ لقا کی وارھی  
 فکر میری گہرا اندر اشاراں کثیر  
 میرے ابہام پہ ہوتی ہے تصدیق توضیح  
 نیک ہوتی مری حالت تو نہ دیتا تحلیف  
 قبلہ کون و مکان خستہ نوازی میں دیر  
 گئے وہ دن کہ نادانستہ غیروں کی وفاداری  
 بس اب بگڑے پکیا شرمندگی جانے دو دل جاؤ  
 کلکتہ کا جو ذکر کیا تو نے ہنشیں  
 وہ بہتر دھارائے مٹا کر کہ ہے غضب  
 صبر آنا وہ ان کی نگاہیں کہ بہت نظر  
 وہ بیوہ ماے تازہ و شیریں کہ داد داد

زہرہ نے ترک کیا حوت سے کرا تھوہل  
 تیری بخشش مری انجام مقاصد کی کفیل  
 تیرا انداز تغافل مرے مرنے کی دلیل  
 چرخ کج باز نے چاکر کرے مجھ کو ذلیل  
 پہلے ٹھونکی ہے بن ناخن تدبیر میں کیل  
 کشش دم نہیں بے ضابطہ جبریل  
 غم گیتی سے مرا سینہ آمر کی زبیل  
 ٹھٹھک میری رستم آموز عبارت قیل  
 میرے اجمال سے کرتی ہے تراشیں قیل  
 جمع ہوتی مری خاطر تو نہ کرتا تعجیل  
 کعبہ امن و امن عقدہ کشائی میں فیضیل  
 کیا کرتے تھے تم تقریر ہم خاموش رہتے تھے  
 قسم لوہم سے گریہ بھی کہیں کیوں ہم نہ کہتے تھے  
 اک تیر میرے سینہ میں مارا کہ لائے لائے  
 وہ نازیں ہان خود آرا کہ لائے لائے  
 طاقت ربا وہ ان کا اشارا کہ لائے لائے  
 وہ بادد ماے ناپ گوارا کہ لائے لائے

### در تعریف ولی

ہے جو صاحب کے کف دست پہ چکنی دلی  
 زیب دیتا ہے اسے جس قدر چھاکے





سے ادنیٰ تر تو وہ بھیس لگتا  
شب بزمِ نامور سا لگتا

خامرا انگشت ہنداں کہ اسے کیا لکھئے  
 مہر مکتوب عسزین گرامی لکھئے  
 ہسی آلودہ سر انگشت حسیناں لکھئے  
 قائم دست سیماں کے مشابہ لکھئے  
 اختر موقتہ قیس سے نسبت دیجے  
 خیر الاسود دیوار حرم کیجے فرض  
 وضع میں اس کو اگر سمجھے قاتل تریاق  
 صومے میں اسے ٹھہرائے گر مہر نماز  
 کیوں اسے قفل در گنج محبت لکھئے  
 کیوں اسے گوہر نایاب تصور کیجے  
 کیوں اسے تکر پیرا ہن لیا لکھئے  
 بندہ پرور کے کعبہ دست کو دل کیجے فرض  
 نہ پوچھ اس کی حقیقت حضور والا نے  
 نکھاتے گیہوں نکھلتے نہ فلد سے باہر

ناظر سر بگیاں کہ اسے کیا کہئے  
 جہر بازو سے شکر فانی خود آرا کہئے  
 داغ طرہت جگر عشق شہید کہئے  
 سر پستان پر زانو سے مانا کہئے  
 خال مشکین مرغ و لکشیں لیا کہئے  
 نافہ آہوئے سیاہان فتن کا کہئے  
 رنگ میں سبزہ نو خیز سیا کہئے  
 میکہ میں اسے خشت خم صہبا کہئے  
 کیوں اسے نقطہ پر کار قسٹ کہئے  
 کیوں اسے مردک دیدہ عفا کہئے  
 کیوں اسے نقش پنے نافہ سلا کہئے  
 اور اس چکنی سپاری کو سویدا کہئے  
 مجھے جو بھیجی ہے ہین کی روغنی روٹی  
 جو کھاتے حضرت آدم یہ ہینسی روٹی

### سہرا

خوش ہوا ہے بخت کہ ہے آج ترے سہرا  
 کیا ہی اس چاند سے کھڑے پچھ لگتا ہے  
 سر پہ چرخا تجھے چھتا ہے پرے طرف کلاہ  
 ناؤ بھر کر ہی پر وئے گئے ہونگے سوتی  
 یا نہ شہزادہ جواں بخت کے سر پر سہرا  
 ہے ترے حسن دل انس و فر کا زیور سہرا  
 مجھ کو ڈر ہے کہ نہ چھینے ترا لہر سہرا  
 ورنہ کیوں لائے ہیں گشتی میں لگا کر سہرا



سات دریا کے فرہم کینے ہونگے موتی  
 رخ پہ دولہا کے جو گری سے پسینہ ٹپکا  
 یہ بھی اک بے ادبی تھی کہ قبا سے بڑھ جائے  
 جی میں اترا میں نہ موتی کہ ہیں میں اک چیز  
 جبکہ اپنے میں ساویں نہ خوشی کے مارے  
 رُخ روشن کی دمک گوہر غلطاں کی چمک  
 تار ریشم کا نہیں ہے یہ رگ ابر بہار  
 ہم سخن فہم میں غالب کے طغیان نہیں  
 منظور ہے گزشتہ احوال واقف  
 سوچت سے ہے پیش آباہ سپہ گری  
 آوازہ زد ہوں اور مرا سلک ہے صلح کل  
 کیا کم ہے یہ شرف کہ ظفر کا غلام ہوں  
 آئناؤں سے ہونچھے پر خاش کا خیاں  
 جام جہاں نما ہے شہنشاہ کا ضمیر  
 میں کون اور ریشہ ہاں اس سے مدعا  
 سہرا لکھا گیا نہ رہا مست مال امر  
 متعلق میں آپڑی ہے سخن گسترانہ بات  
 رہے سخن کسی کی طرعت ہو تو رُوسیاہ  
 فست بری مہی پہ طبیعت بری نہیں

تب بنا ہوگا اس انداز کا گز بھر سہرا  
 ہے رگ ابر گہر بار سہرا سہرا  
 رہ گیا آن کے واسن کے برابر سہرا  
 چاہتے پھولوں کا بھی ایک تکرر سہرا  
 گوند سے پھولوں کا بھلا پھر کوئی کیونکر سہرا  
 کیوں نہ دکھلائے فروغ نہ و اختر سہرا  
 لائیگا تاب گراں باری گوہر سہرا  
 دیکھیں میں سرے سے کدے کوئی بہتر سہرا  
 اپنا بیان حسن طبیعت نہیں مجھے  
 کچھ شاعری زورید عزت نہیں مجھے  
 ہرگز کبھی کسی سے صداوت نہیں مجھے  
 مانا کہ جاہ منصب و ثروت نہیں مجھے  
 یہ تاب یہ بحال یہ طاقت نہیں مجھے  
 سو گند اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے  
 جز انسا کا خاطر حضرت نہیں مجھے  
 دیکھا کہ چارہ غیر اطاعت نہیں مجھے  
 مقصود اس سے قطع محبت نہیں مجھے  
 سودا نہیں جنوں نہیں وحشت نہیں مجھے  
 بے شکر کی جگہ کہ شکایت نہیں مجھے

صاوق ہوں اپنے قول میں غالب نہ گواہ

کستا ہوں سچ کر تجھ کو کی عادت نہیں مجھے

مدح

تجھ سے جو اتنی ارادت ہے تو کس بات سے ہے  
رواق بزم مہر میں تری ذات سے ہے  
غیر کیا خود مجھے نفرت مری وفات سے ہے  
نسبت اک گو نہ مرے دل کو تم سے بات سے ہے  
یہ دما شام و سحر قاضی حاجات سے ہے  
گو شرف خضر کی بھی مجد کو ملاقات سے ہے  
غالب خاک نشین اہل خرابات سے ہے  
رکھ دیں چین میں بھر کے سسے مشکبو کی مانند  
بندہ کو رہ نہ تا پندے پوہوں کو جاسے چاند  
بے بن کے آگے سیم و زبر و مہر و مادہ مانند  
لاکھوں ہی آفتاب ہیں و رہی شمار چاند  
بھالی نہیں ہے اب مجھے کوئی نوشتہ خواند

نصرت اعلیٰ بہادر مجھے بتلا کہ مجھے  
گر چہ تو وہ ہے کہ ہنگامہ اگر گرم کرے  
اور میں وہ ہوں کہ گرجی میں کبھی غور کروں  
خستگی کا ہو بھلا جس کے سبب سے ہر دست  
ہاتھ میں تیرے ہے تو بن دولت کی عتائ  
تو بسکندر ہے مرا فخر ہے بلتا تیرا  
اُس پہ گزرتے تہ گھاں ریو و ریا کا زہار  
ہے چار شنبہ آخر ماہ صفر چلو  
جو آئے جام بھر کے پیے اور ہو کے ست  
بٹے ہیں سونے روپے کے چھلے حضور میں  
یوں سمجھئے کہ بیچ سے خالی کیے ہوئے  
غالب یہ کیا بیاں ہے بجز مدح بابشاہ

## در مدح شاہ

بنے غیب سے ہر دم تجھے مہد و بشارت  
تو اکرے اس عقد کو سو بھی بشارت  
گر لب کو نہ دے چشمہ جواں سے طہارت

اے شاہ جہانگیر جہاں بخش جہاندار  
جو عقد دشوار کو کوشش سے نہ دابو  
مکن ہے کہ خضر سکندر سے تر ذکر

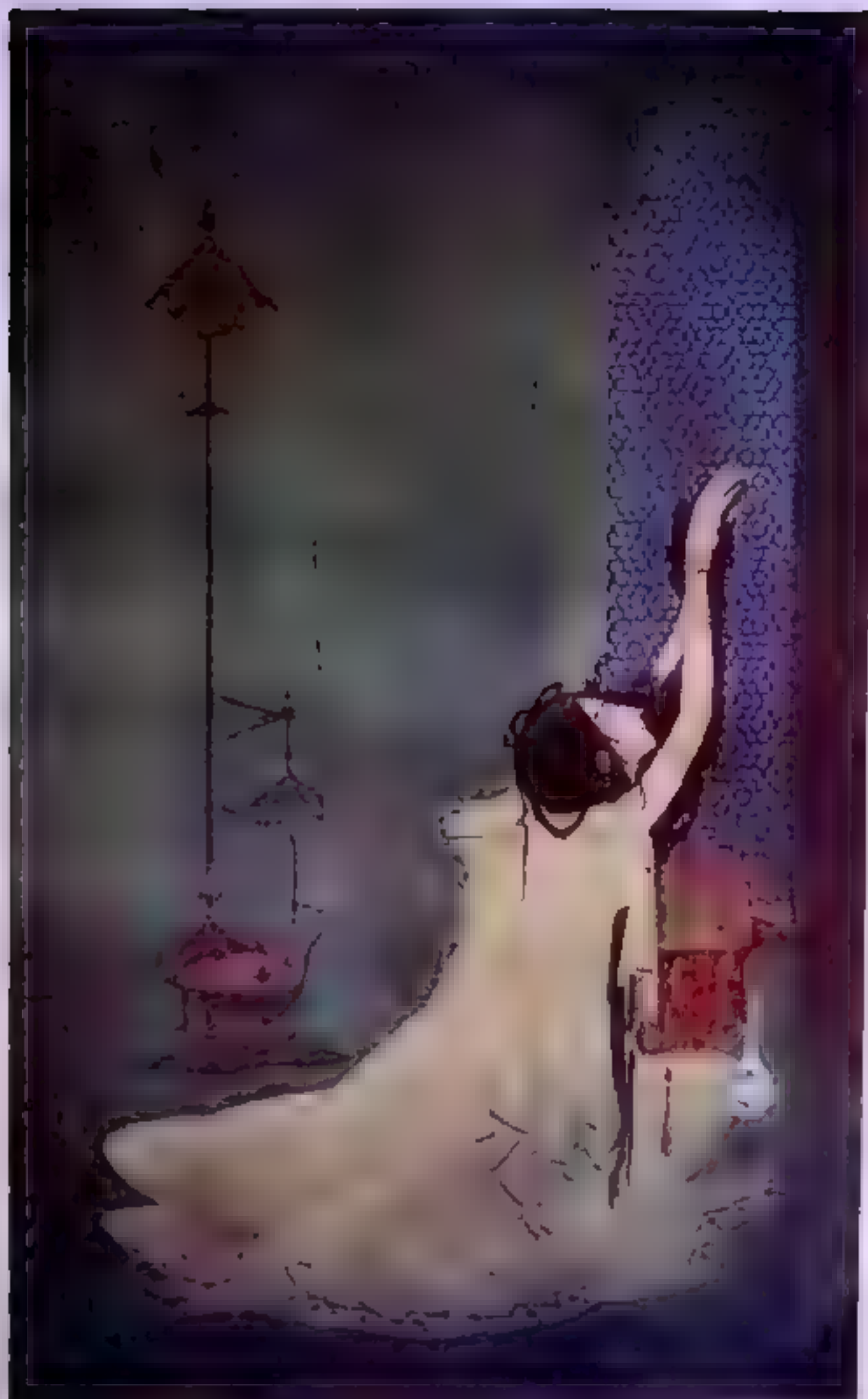
آصف کو سیماں کی وزارت سے شرف تھا  
 ہے نقشب مریدی ترافس زبان الہی  
 ثواب سے گریب کرے طاقت سیلاں  
 ڈھونڈے نہ ملے سوچہ دریا میں روانی  
 ہے گرچ مجھے نکتہ سرائی میں تو غل  
 کیونکر نہ کروں مع کو میں ختم دعا پر  
 فوروز ہے آج اور وہ دن کہ بوٹے میں  
 تجھ کو شرف ہر جہاں تاب مبارک  
 افطار صوم کی کچھ اگر دست گاہ ہو  
 جس یاس روزہ کھول کے کھانے کو کچھ نہ ہو  
 ہے فخر سیماں جو کرے تیری وزارت  
 ہے داغ غلامی ترا تو قبیح امارت  
 تو آگ سے گروغ کرے تاب شہادت  
 باقی نہ ہے آتش سوزاں میں حرارت  
 ہے گرچ مجھے سحر طرازی میں صارت  
 قاصر ہے شکایت میں ہی میری عبارت  
 نظارگی صفت حق اہل بصارت  
 غالب کو ترے عقبہ عالی کی زیارت  
 اُس شخص کو ضرور ہے روزہ رکھا کرے  
 روزہ اگر نہ کھائے تو ناچار کیا کرے

### گزارش مصنف بحضور شاہ

آئے شہنشاہ آسماں اور رنگ  
 تھا میں اک بینوائے گوشہ نشین  
 تم نے مجھ کو جو آہر و بخشش  
 کہ ہوا مجھ سا ذرۂ ناچیز  
 گرچ از روئے تنگ بے ہنری  
 کہ گر اپنے کو میں کہوں خاک  
 شاد ہوں لیکن اپنے جی میں کہ ہوں  
 اے جاندار آفتاب آشکار  
 تھا میں اک درو مند سینہ نگار  
 ہوئی میسری وہ گرمی بازار  
 روشناس ثوابت و سوار  
 ہوں خود اپنی نظر میں اتنا خواہ  
 جانتا ہوں کہ آئے خاک کو عار  
 بادشہ کا عیش سلام کار گزار

ہی ہے ذاتی فانی ذاتی پر نہیں  
ہم نہیں جلتے نفس ہر چہ آتشبار ہے





خانہ زاد اور مرید اور تاج  
 بارے نوکر بھی ہو گیا صد شکر  
 نہ کہوں آپ کے تو کس سے کہوں  
 پیرو مرشد اگرچہ مجھ کو نہیں  
 کچھ تو جاڑے میں چاہیے آخر  
 کیوں نہ درکار ہو مجھے پوشش  
 کچھ خریدائیں ہے اب کے سال  
 رات کو آگ اور دن کو دھوپ  
 آگ تاپے کہاں تک انسان  
 دھوپ کی تابش آگ کی گری  
 میری تنخواہ جو محنت ترسہ  
 رسم ہے مردہ کی چھ ماہی ایک  
 مجھ کو دیکھو تو ہوں بقید حیات  
 بسکہ لیتا ہوں ہر مہینے قرض  
 میری تنخواہ میں ہتھالی کا  
 آج مجھ سا نہیں زمانے میں  
 رزم کی داستان اگر سنیے  
 رزم کا التزام گر کیجھے  
 ظلم ہے گرد و سخن کی داد

تھا ہمیشہ سے یہ عریض نگار  
 نسبتیں ہو گئیں مستحق چار  
 مدعاے ضروری الاظہار  
 ذوق آرائش سرود ستار  
 تانہ دسے بادِ زمہریر آزار  
 جسم رکھتا ہوں ہے اگرچہ نزار  
 کچھ بنایا نہیں ہے ابھی بار  
 بھاڑ میں جائیں ایسے یل و نہار  
 دھوپ کھاوے کہاں تک جاندار  
 وقار تبنا عذاب النار  
 اُس کے رٹنے کا ہے عجب ہنزار  
 خلق کا ہے اسی چلن پہ مدار  
 اور چھ ماہی چو سال میں دوبار  
 اور رتنی ہے سود کی تکرار  
 ہو گیا ہے شریک ساہوکار  
 شاعر نغز گو سے خوش گشتار  
 ہے زباں میری تیغ جو ہر دار  
 ہے قلم میسر اب ہر گوہر بار  
 قمر ہے گر کرد نہ مجھ کو پیار

آپ کا بندہ اور پھروں ننگا  
 میری تنخواہ سیکھے ماہ بہ ماہ  
 ختم کرتا ہوں اب دعا پہ کلام  
 تم سلامت رہو سزا برس  
 سید گلیم ہوں لازم ہے میرا نام نہ لے  
 ہوا نہ غلبہ ٹیتر کبھی کسی پہ مجھے  
 سہل تھا سہل دلے سخت مشکل آپڑی  
 تین دن مسلسل سے پہلے تین دن سسل کے بعد  
 خجستہ انجمن طلوعے میرزا جعفر  
 ہوئی ہے ایسے ہی فرخندہ سال میں غالب  
 ہوئی جب میرزا جعفر کی شادی  
 کما غالب کا تاریخ اس کی کیا ہے  
 گو ایک بادشاہ کے سب خانہ زاد ہیں  
 کانوں پہ ہاتھ دھرتے ہیں کرتے ہوئے سلام  
 آپ کا نوکر اور کھاؤں ادھار  
 تانا ہو مجھ کو زندگی دشوار  
 شاعری سے نہیں مجھے سروکار  
 ہر برس کے ہوں دن بچا پس ہزار  
 جہاں میں جو کوئی فتح و ظفر کا طالب ہے  
 کہ جو شریک ہو میرا شریک غالب ہے  
 بچپن کیا گزرے گی اتنے روز عافیت ہونے  
 تین سہل تین تیریں یہ سب کے دن ہونے  
 کہ جس کے دیکھے سے سبکا ہوا ہے جی محفوظ  
 نہ کیوں ہو مادہ سال عیسوی محفوظ  
 ہوا بزم طرب میں رقص ناہید  
 تو بولا راز شہ جہن جیشید  
 دربار دار لوگ ہم آشنا نہیں  
 اس سے ہے یہ مراد کہ ہم آشنا نہیں



مختصر الشہد کاتب

# رُبَاعِیَّات

بعد از تمام غم عیب اطفال  
ایام غمناکی ہے سدا عیش حال

شبِ نیت و رخِ عشقِ کائنات  
کیا شمعِ کزوں کا کھنکھاتا تھا

پیشانی سوادِ است عیش  
سے گھرِ شکرِ شکرِ عیش

رویاں ہزار آنکھ سے بھج تھیں  
اگر نظرِ شکر سے دین پریم تھا

آتش بازی ہے جیسے شعلِ اطفال ہے سوزِ جگر کا بھی اسی طور کا حال

تھما موجدِ عشق بھی قیامت کوئی لڑکوں کیلئے گیا ہے کیا کھیل نکال



اس رشتہ میں لاکھ تار ہوں بلکہ سو  
 اتنے ہی برس شمار ہوں بلکہ سو  
 ہر سیکڑہ کو ایک گرہ فرض کریں  
 بیسی گرہیں سنزار ہوں بلکہ سو

مکتبہ پر کاتب مرقا ازاد نہیں  
 عشاق کی پیشکش سے غار نہیں  
 جو ہاتھ لگے مٹھایا ہوگا  
 کیونکہ مانوں کہ اس میں تلواریں  
 مکتبہ پر کاتب مرقا ازاد نہیں  
 عشاق کی پیشکش سے غار نہیں  
 جو ہاتھ لگے مٹھایا ہوگا  
 کیونکہ مانوں کہ اس میں تلواریں

سائمان خور و نوش کہاں سے لاؤں  
 آرام کے اسباب کہاں سے لاؤں  
 روزہ میرا ایمان ہے غالب لیکن  
 خس خانہ و برفاب کہاں سے لاؤں



نہ کفنسہ ہوں نہ پردہ ساز  
میں ہوں اپنی شکست کی آواز

دل تھا کہ جو جان در تمہیں دہی      بیتابی رشک و حسرت دیدہی  
ہم اور فسردن اے تجلی افسوس      تکرار زواہنیں تو تجسیدہی

خلق سد قاش اٹھنے کیلئے  
وشت کدہ قاش اٹھنے کیلئے  
یعنی ہر باغ و بہار کا غدا  
ملنے میں ہی بد قاش اٹھنے کیلئے  
دل سخت زخم ہو گیا تجلی  
اس سے گلہ مند ہو گیا تجلی  
پیارے آگے بول تجلی نہیں  
غائب نہیں ہو گیا تجلی

دکھ جی کے پسند ہو گیا ہے غالب      دل رک رک کر بند ہو گیا ہے غالب  
والہ شب کو نیند آتی ہی نہیں      سونا سو گت ہو گیا ہے غالب

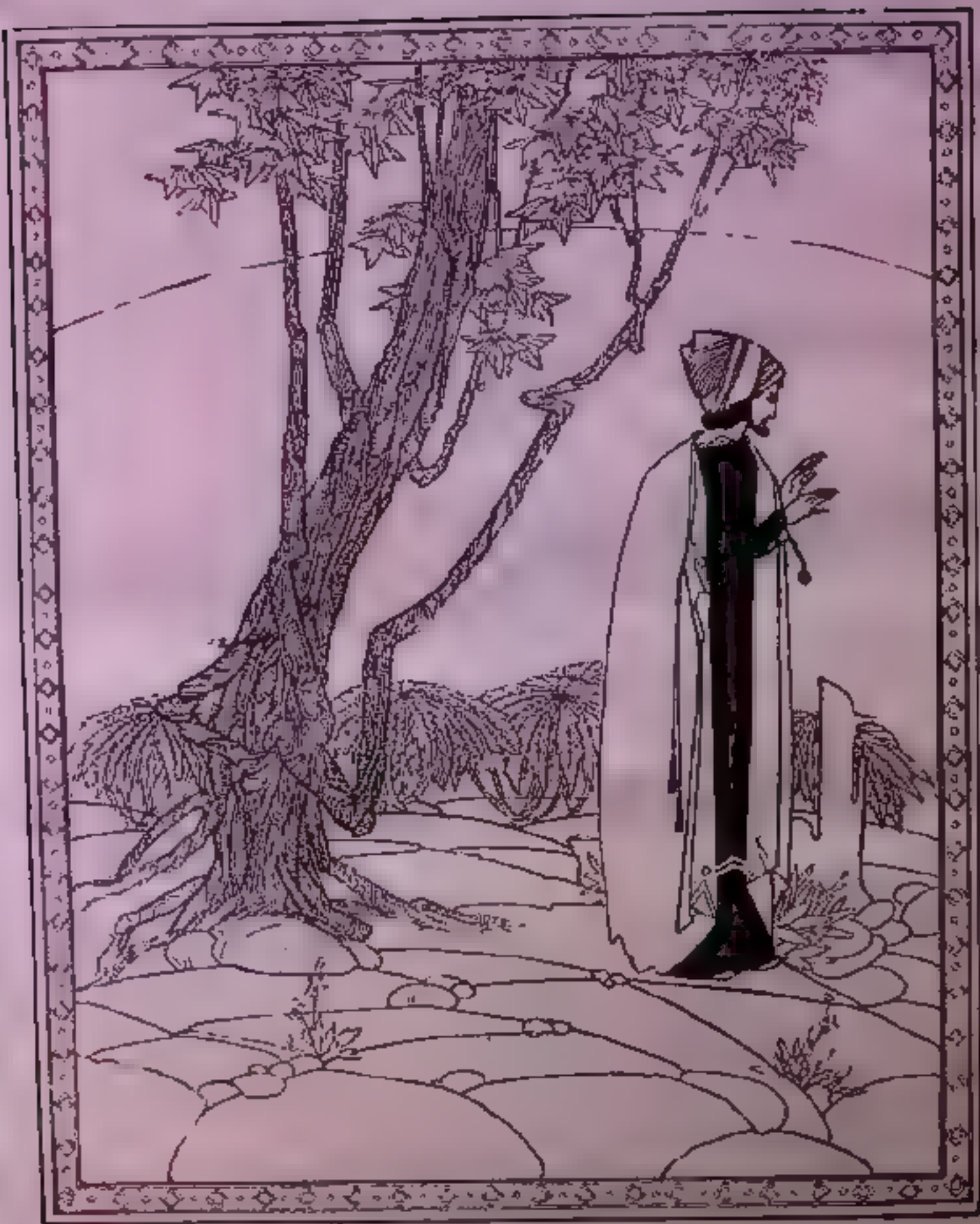


مشکل ہے زبیں کلام میرا لے دل      سن سن کے اُسے سخنور این کامل  
آساں کہنے کی کرتے ہیں فرمائش      گویم شکل و گونہ گویم شکل

بھبی نہ بھگوشا بھجوانے      نہیں نہیں صفات و تجالی باہم  
نہ لطف غلیظ شمشاد پاں      ہمارا بسلائی و بسلائی باہم

پوشا پنڈال سب سے محبت و جلال      ہوں شاد کیوں سنائی اعلیٰ باہم  
نہ لطف و نیش و دیش و دوشی و دل      ہمارا کچھ شیب قدر و دوشی باہم

حق شہ کی بقا سے خلق کو شاد کرے      تا شاہ شیوع دانستہ داد کرے  
یہ دی جوئی ہے رشتہ عمر میں گانٹھ      ہے صفر کہ افزائش اعداد کرے



غلِ فشانِی بائے نازِ جلوہ کو کیا ہو گیا۔  
خاک پر ہوتی ہے تیری لالہ کاری ٹائے ٹائے

مَدّت ہوئی ہے یار کوہاں گئے تھے  
چوڑی قلع سے بزمِ پسراناں گئے تھے





It is perhaps the "Oriental" character of Chughtai's pictures that will win admirers for them outside Asia. Their amazing technical skill is acceptable to all who are sensitive to excellence achieved. But the remoteness from so-called realism which Chughtai has deliberately cultivated will be specially acceptable to those who are now feeling the pull away from an alleged truthfulness to eye-sight, towards the truth of the imagination. This has been the mission of the Oriental art for ages, and a study of a set of Persian paintings (of which good reproductions can now be readily obtained) side by side with these of Chughtai, will show where they are at one in their mood of gentle repose, in their pictorial lyricism, and where Chughtai, with the impulse of the creative artist who has the sense of tradition, has made his wholly delightful and individual contribution. He retains the distinctive mood and posture of the Persian tradition but gives his pictures a special quality of his own in lovely colour combination, in delicious lines that seem to be less lines of painting than of some inaudible poetry made visible, in folds of drapery that are never mere coverings to or discoverings of the human body, but best men in the liturgy of beauty, in decorative backgrounds based on Saracenic architecture that call the imagination away from the tyranny of the actual into free citizenship of the realm of romance.

One would like to follow up these excellences from picture to picture, but space forbids. The wish must here be content with hand outstretched towards infinite riches in a little room and a profound salaam to the gifted artist.

Adyar, Madras  
April, 1928

and it might be some less delectable world than the Persian world of dreams that is evoked in these lovely pages ; for he belongs to the tribe of romantics whose caravan is never fully content unless when it is camped by the river of yesterday or to-morrow. Another of the tribe, the English poet Keats, took refuge from his time in a Grecian world of his own making. But Chughtai carries his refuge about with him, and sets it visibly in our midst with the fine gesture of invitation to enter and enjoy which is made in this volume.

What some wealthy institution or patron should have done, the young artist has himself accomplished out of the results of a short but brilliant career (he is only twenty-nine). He loves his Chalib, being himself a Poet ; he loves his art ; he knows that others love it ; and he desires that the happiness of the possessors of his original paintings should be shared by a large circle of lovers of art. And, being a romantic, he desires no profit. He gives us this gallery of the most exquisite art, this product of his highest inspiration and craftsmanship and the finest achievement of colour reproduction, for what it costs.

For this the little world of lovers of pure painting will thank him. Were this introduction to this volume permitted to be more than a simple signal, it would dwell on what is within with greater enthusiasm ; on the skill that has achieved perfect assurance and extraordinary ease and on the passionate reserve and chaste intensity that are perhaps the most distinctive contribution of the Persian and Mughal genius of the past and of Chughtai to-day to the art of India and the world.



# INTRODUCTION

*by*

JAMES H. COUSINS, D. LITT.

Some good people, when they see certain pictures of modern artists, recall some two or three colour-prints that they have seen, and sagely remark, with a trace of disparagement: "Ah, Japanese influence." As if a great grandmother of the arts of Asia should be rebuked for preserving some trace of resemblance to her children's children. Wider knowledge knows that the matter is the other way round, and that Utamaro's ladies are lineal descendants of the Shakti of India, thinned, coiffed and costumed by the temperament and climate of Japan.

The same good people or others have been heard to remark in front of one of Rahman Chughtai's pictures: "Ah, Persian influence." Persian surely, for the very reason that Chughtai is a Persian of the lineage of the Tartar-Mughals and of the family of the master-builders of the Pearl Mosque of Delhi and the Taj Mahal of Agra.

It does not, of course, follow that, because Chughtai is in blood Persian, he should therefore paint Persian. Some of the masters of Mughal art in the sixteenth and seventeenth centuries were pucca Hindus, and some of the Indians to-day who ape a foreign art are not pucca anything, but in the case of Chughtai it just does follow. His cultural tradition takes fresh birth in him, with a difference due to passing time and personality.

So far as Chughtai's art is concerned, India to him might as well be India of Akbar. It is perhaps as well for us that it is not. If it were, he might have created for us some other,



And in so far as the cultural history of Islam is concerned, it is my belief that, with the single exception of Architecture, the art of Islam (Music, Painting and even Poetry) is yet to be born the art, that is to say, which aims at the human assimilation of Divine attributes تخلو باعلاق الله gives man infinite aspiration. اجر غیر مبنون and finally wins for him the status of God's Representative on earth.

مقام آدم خاکی نہاد دریا بند      مسافران حرم را خدا دہد توفیق

There are, however, indications to show that the young artist of the Punjab is already on the way to feel his responsibility as an artist. He is only twenty-nine yet. What his art will become when he reaches the maturer age of forty, the future alone will disclose. Meanwhile all those who are interested in his work will keenly watch his forward movement.

Lahore  
21st July, 1928.

MOHAMMAD IQBAL



matter of choice. It is a gift, the character of which cannot be critically judged by the recipient before accepting it. It comes to the individual unsolicited, and only to socialise itself. For this reason the personality that receives and the life-quality of that which is received are matters of the utmost importance for mankind. The inspiration of a single decadent, if his art can lure his fellows to his song or picture, may prove more ruinous to a people than whole battalions of an Attila or a Changez. As the Prophet of Islam said of Imra'ul Qais—the greatest poet of Pre-Islamic Arabia:

اشعر الشعراء وقايد هم الى النار

To permit the visible to shape the invisible, to seek what is scientifically called adjustment with nature is to recognise her mastery over the spirit of man. Power comes from resisting her stimuli, and not from exposing ourselves to their action. Resistance of what is with a view to create what ought to be, is health and life. All else is decay and death. Both God and man live by perpetual creation.

حسن را از خود برون حستن خطاست آنچه می بایست پیش ما کجاست

The artist who is a blessing to mankind defy life. He is an associate of God and feels the contact of Time and Eternity in his soul. In the words of Fichte, he "Sees all Nature full, large and abundant as opposed to him who sees all things thinner, smaller and emptier than they actually are". The modern age seeks inspiration from Nature. But Nature simply 'is' and her function is mainly to obstruct our search for 'Ought' which the artist must discover within the deeps of his own being.



## FOREWORD

by

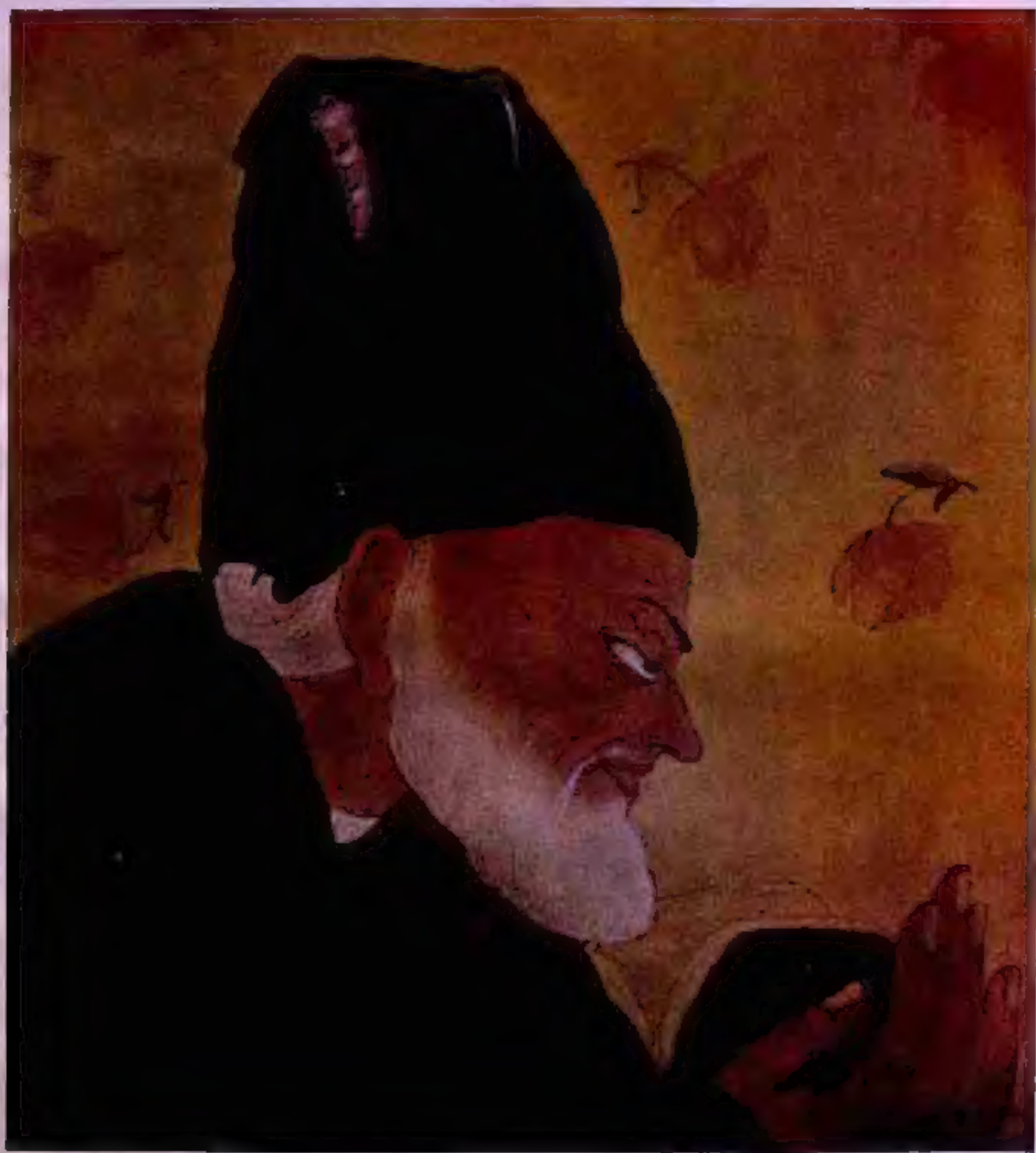
Dr. SIR MOHAMMAD IQBAL  
THE POET OF THE EAST

WELCOME "Muragga-i-Chughtai"—Ghalib's Illustrated Edition by Mr. M. A. Rahman Chughtai—a unique enterprise in modern Indian painting and printing. Unfortunately I am not competent enough to judge the technical side of painting, and refer the reader to Dr. Cousin's admirable Introduction in which he has analysed some of the more important forces that are shaping Chughtai's artistic ideal. All that I can say is that I look upon Art as subservient to life and personality. I expressed this view as far back as 1914 in my 'Asrar-i-Khudi', and twelve years later in the poem of the 'Zubur-i-'Ajam', wherein I have tried to picture the soul-movement of the ideal artist in whom Love reveals itself as a unity of Beauty and Power.

دلیری نے قاہری جادوگری است      دلبری با قاہری پیغمبری است

From this point of view some of the more recent paintings of Mr. Chughtai are indeed remarkable. The spiritual health of a people largely depends on the kind of inspiration which their poets and artists receive. But inspiration is not a





غالب نام آورم نام و نشانیم پیر  
بهم اسد اللهم و بهم اسد اللهم



# MURAQQA-I-CHUGHTAI

PAINTINGS OF M. A. RAHMAN CHUGHTAI

With full Text of Diwan-i-Ghalib

FOREWORD

دیباچہ پیش قلم

BY

DR. SIR MOHAMMAD IQBAL, KT., PH. D.

INTRODUCTION

تعارف

BY

DR. JAMES H. COUSINS, D. LITT.



**PRINT PRINTO**

FINE ART PUBLISHERS

LAHORE-2, (WEST PAKISTAN)

PIR MAKKI

